مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایما اور قائد اعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماهنامه ______ لاهور

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

انتظامیہ ادارہ طلوع اسلام

چیرمین:۔ بریگیڈر (ریٹائرڈ) اعزاز الدین احمد خاں

ناظم:۔ محمد لطیف چوہدری

سیکرٹری:۔ سکواڈرن لیڈر (ر) سید ریاض الحسن شاہ

مدیر مسئول:۔ محمد لطیف چوہدری

مجلس ادارت:۔ میجر محمد یوسف ڈار - محمد عمر دراز

ناشر:۔ عطاء الرحمٰن ارائیں

طابع:۔ خالد منصور نسیم

مطبع:۔ النور پرنٹرز و پبلشرز

3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔54500

مقام اشاعت:۔ B-25 گلبرگ 2 - لاہور۔ 54660

خط و کتابت

ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)

25 - بی گلبرگ - 2 لاہور 54660

ٹیلی فون: 876219

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

فہرست مضامین

[illegible]

جلد 49 شمارہ 10 اکتوبر 1994ء

بدل اشتراک

فی پرچہ -/10 روپے اندرون ملک 120 روپے بیرون ملک : 18 امریکی ڈالر

لمعات

1- جمہوری تماشہ

یورپ نے جمہوری مشینری کا جھانسہ دے کر اقوام عالم کو عجیب قسم کا اضحوکہ بنا رکھا ہے۔ جمہوریت کے متعلق فریب یہ دیا جاتا ہے کہ اس میں اقتدار اور اختیار عوام کے ہاتھ میں ہوتا ہے حالانکہ یہ اختیار اس وقت تک ہوتا ہے جب تک ووٹ کی پرچی اس شخص کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ جونہی اس نے وہ پرچی ڈبے میں ڈالی' اس کے اختیار و اقتدار کی حدود ختم ہو گئیں۔ اس کے بعد تمام اختیار و اقتدار اس شخص کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے جو ان پرچیوں کی مدد سے منتخب ہو جاتا ہے۔ یہ منتخب ہونے والا دوسرے الیکشن تک اسی قسم کا آمر ہوتا ہے جیسے دنیا کے اور ڈکٹیٹر۔ البتہ اسے راگ یہ الاپنا پڑتا ہے کہ اختیار اس کے ہاتھ میں نہیں عوام کے ہاتھ میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت میں سیاست کا اصل مقصود حصول اقتدار ہوتا ہے یا گروہی مفادات کا تحفظ۔ پیشہ ور سیاستدان ایوان حکومت میں در آتے ہیں' نکال دیئے جاتے ہیں۔ حکومتیں بدلتی ہیں' حکمران بدلتے ہیں۔ ہر حکمران نئے دعوں اور جدید نعروں کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ مسند حکومت پر ہیں تو سب کچھ کر گذرنا روا۔ اور ایوان حکومت سے نکالے گئے یا وہاں تک نہ پہنچ پائے تو حکومت کے خوب کو ناخوب کہنا اور اس کے محاسن کو معائب کا نام دینا فرض قرار پا جاتا ہے۔

جہاں تک جمہوریت کے عملی تجربہ کا تعلق ہے' پچھلے 47 برس سے ہم اسی کی بھینٹ چڑھے ہوئے ہیں۔ ملکی معاملات میں نت نئے تجربات' معاشرے کی چیخ و پکار' قوم کی زبوں حالی' قدم قدم پر زندگی کی ہڈیاں چٹخنے کی درد انگیز آہیں' ارباب بست و کشاد کے اپنے اعلانات کہ ہمارے ہاں رشوت' بددیانتی' نالائقی' اقربا پروری' انفرادی مفاد پرستی کی لعنت دن بدن بڑھ رہی ہے۔ ہم حکمرانوں کے ایک گروہ سے تنگ آ کر انتخاب کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن نئے انتخابات کے بعد انہی جیسا ایک اور گروہ ہم پر مسلط ہو جاتا ہے۔ ہمارے وہ رہنما جو ایوان حکومت تک نہیں پہنچ پاتے پھر عوام کے پاس پہنچ جاتے ہیں کہ ٹرین ہم نے چلا دی ہے تھوڑا سا دھکا اور لگا دیں اور یوں سمجھ لیں کہ اقتدار آپ کے قدموں میں ہے۔ یہی سبق [illegible] صاحبہ نے پڑھا تھا۔ یہی حربہ جناب نواز شریف صاحب آزما رہے ہیں۔ عوام کا تعلق [illegible] عوام

ان کے بھی ساتھ ہیں لیکن ٹرین مارچ نہ اس وقت کسی نظام کے حق میں تھا نہ آج کسی نظام کے خلاف ہے۔ وہ بھی شخصیات کے خلاف تھا یہ بھی شخصیات ہی کے خلاف۔ نہ اس لانگ مارچ نے کسی نئی قیادت کو متعارف کرایا تھا نہ اس لانگ مارچ کے پیش نظر کوئی ایسا نجات دہندہ ہے جو قوم کی توقعات پر پورا اتر چکا ہو۔ نظریوں آتا ہے کہ ملک کی بساط سیاست پر چند شاطر بیٹھے ہیں جو جوڑ توڑ اور ہار جیت میں لگے رہتے ہیں۔ ان ہی کے شخصی مفادات کے مطابق ملک کی قسمت کے پانسے پلٹتے رہتے ہیں۔ ملکی سیاست اگر متزلزل ہے تو یہ ہمارے موجودہ نظام سیاست میں اساسی خرابیوں کے علاوہ ان ہی ارباب ہوس کی ریشہ دوانیوں کا بھی نتیجہ ہے۔ حیرت ہے کہ چپڑاسی کی ایک معمولی سی آسامی کے لئے تو معیار مقرر ہے لیکن ہماری پارلیمان یا سینیٹ کے اراکین کے لئے کوئی بنیادی معیار مقرر نہیں۔ ہر پاکستانی اپنی طبعی عمر کے ایک خاص عرصہ میں امیدوار ہو سکتا ہے چاہے اس کا تعلق کسی ایسے گروہ سے ہی کیوں نہ ہو جو سرتاپا ملت و وطن دشمن کاروبار میں ملوث ہو۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ کاش ان لوگوں نے قرآن سمجھ کر پڑھا ہوتا۔

طلوع اسلام اس موضوع پر بہت کچھ لکھ چکا ہے۔ جس کی تفصیل میں جانا ممکن نہیں تاہم حالات حاضرہ کے پیش نظر یہ مشورہ ہم سیاسی راہنماؤں کو ضرور دینا چاہیں گے کہ آپ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے جو تدبیریں بھی سوچیں اس میں ایک اصول کو ضرور پیش نظر رکھیں اور وہ اصول یہ ہے کہ حکومت اور مملکت میں بنیادی فرق ہوتا ہے۔ حکومتیں آتی ہیں اور جاتی ہیں۔ وزارتیں بنتی ہیں اور ٹوٹتی ہیں لیکن مملکت اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ آپ اصلاح احوال کے لئے غلط کار حکومت کو ضرور بدلیں لیکن اس تبدیلی کی کوشش میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے مملکت کو کوئی نقصان پہنچے۔ قوم اس چھوٹی سی احتیاط کے لئے آپ کی احسان مند ہو گی۔

2- احتساب خویش

تحریک پاکستان کے دوران لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بھی موجزن تھا کہ ہماری تمام کمزوریاں' نقائص' عیوب اور برائیاں انگریزوں کی غلامی کی وجہ سے ہیں جوں ہی ہم نے آزادی حاصل کر لی' یہ تمام عیوب و نقائص خود بخود کم ہو جائیں گے۔ پاکستان بننے کے بعد جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ تمام برائیاں بدستور موجود ہیں' موجود ہی نہیں بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہو چکی ہیں تو انہیں بڑا دھچکا لگا۔ انہوں نے اس صورت حال کا ذمہ دار خود پاکستان کو قرار دے دیا۔ ہم اس وقت اس نکتہ پر بحث نہیں کرنا چاہتے کہ یہ برائیاں ہم میں کیوں در آئیں' کہنا صرف یہ چاہتے ہیں کہ تحریک پاکستان کے دوران لوگ اس غلط خیال میں مبتلا تھے کہ جونہی

پاکستان بنا یہ تمام برائیاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔

اب لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بٹھایا جا رہا ہے کہ یہ تمام برائیاں اور کمزوریاں اس وجہ سے ہیں کہ یہاں شرعی قوانین (فقہ) نافذ نہیں۔ انہیں اس خیال میں مبتلا کیا جا رہا ہے کہ حکومت نے جونہی شرعی قوانین نافذ کئے۔ ہماری برائیاں اور کمزوریاں سب دور ہو جائیں گی اور ان کی جگہ ہم میں محاسن ہی محاسن پیدا ہو جائیں گے۔ یہ خیال بھی غلط ہے اور ہمیں خدشہ ہے کہ جس طرح پاکستان بننے کے بعد لوگوں کو دھچکا لگا تھا اسی طرح نفاذ شریعت کے بعد بھی اسی قسم کا ایک اور دھچکا لگے گا۔ جب ہم دیکھیں گے کہ نفاذ شریعت کے باوجود (جیسا کہ کچھ قوانین کے نفاذ کے بعد ہو چکا ہے) وہ برائیاں اور کمزوریاں اپنی جگہ بدستور موجود ہیں۔

برائیاں یا کمزوریاں آزادی مل جانے یا کسی قسم کے قوانین نافذ کرنے سے از خود دور نہیں ہوا کرتیں۔ برائیاں دور کرنے سے دور ہوا کرتی ہیں۔ اور قرآن کریم کے مطابق معاشرتی برائیاں دور کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ افراد معاشرہ کی ان خطوط پر تعلیم و تربیت کی جائے جن سے مستقل انسانی اقدار پر صرف ایمان ہی نہیں بلکہ ان کے تحفظ کا جذبہ ان کے دلوں کی گہرائیوں سے ابھرے۔ صحیح قانون اس معاملہ میں صرف ممد و مدد گار ہو سکتا ہے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہم نے اپنے اوپر کسی قسم کا کوئی ڈسپلن ہی نہیں رکھا اور ڈسپلن سے ہماری مراد ان مستقل اقدار کی پاسداری ہے جنہیں ہمارے اللہ نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے۔ اور جب زندگی کسی ڈسپلن کے ماتحت نہ رہے تو اس کا نتیجہ برائیوں کے سوا اور کچھ نہیں نکلا کرتا۔ ہمارے معاشرے کا ماڈرن طبقہ قدامت پرست طبقے کو کوستا ہے کہ ان کے ہاں جمود و تعطل ہے اور قدامت پرست طبقہ ماڈرن طبقہ پر چیں بہ جبیں ہوتا ہے کہ یہ سب افرنگ زدہ ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان برائیوں اور کمزوریوں کی ذمہ داری نہ جدت پر عائد ہوتی ہے نہ قدامت پر۔ اس کا اصل راز یہ ہے کہ ہمارے جدید اور قدیم دونوں طبقے زندگی کے ڈسپلن سے عاری ہیں۔ ان کے ہاں بعض رسوم و قواعد کی سطحی اور ظاہری پابندیاں ہوتی ہیں۔ ماڈرن طبقہ کے ہاں انہیں ایٹیکیٹ کہا جاتا ہے اور قدامت پرست طبقہ اسے آداب اور اخلاق کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیتا ہے۔ قلب و نگاہ پر نہ ان کے ہاں کوئی ڈسپلن ہے نہ ان کے ہاں۔ یہ ڈسپلن خارج سے عائد شدہ پابندیوں سے پیدا نہیں ہوا کرتا۔ یہ دل کی گہرائیوں سے ابھرا کرتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسانی قلب میں اس قسم کی تبدیلی پیدا کرنے میں جس سے اس کے اندر ڈسپلن کا جذبہ ابھرے، معاشرے کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ لیکن اس میں فرد کی اپنی کوشش اور عزم کا حصہ بھی کم نہیں ہوتا۔ اس باب میں ہم پر بہ حیثیت افراد جس قدر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہم نے اسے یکسر فراموش کر رکھا ہے۔ اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو یا دوسروں کو فریب دے رہے ہیں کہ اس کی واحد ذمہ داری ارباب حل و عقد پر

ہے' جو ملک میں شرعی قوانین نافذ نہیں کرتے۔ ذمہ داری کو دوسری طرف منتقل کرنے کی بجائے ہمیں خود اپنا محاسبہ کرنا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ اپنی اصلاح کے لئے جس قدر ہماری اپنی ذمہ داری ہے' ہم نے اسے کس حد تک پورا کیا ہے۔ دنیا میں جتنی قومیں ہم سے آگے ہیں ان کے حالات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ بیشتر ایسے امور ہیں جن میں ان کے افراد نے اپنے آپ پر از خود پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔

یاد رکھئے انسانی ذات جب تک خود نگر نہیں ہوتی اس میں استحکام پیدا نہیں ہو سکتا۔ ہماری کمزوریوں اور برائیوں کی بنیادی وجہ ہی یہ ہے کہ ہم میں خود نگری نہیں رہی۔ ہم میں سے ہر شخص دوسرے کو دیکھتا ہے۔ اپنے آپ کو نہیں دیکھتا۔ خارج سے عائد کردہ قیود کے پابند جمادات' نباتات و حیوانات ہوتے ہیں۔ انسان کی سرفرازی کا راز اس میں ہے کہ وہ خود عائد کردہ حدود و قواعد کی کس قدر پابندی کرتا ہے۔ اس کے لئے کسی مجلس قانون ساز کے مرتب کردہ قوانین کا انتظار کرنا فریب نفس سے کم نہیں۔

3- فرقہ واریت

مسلمانوں کے مختلف طبقوں اور مذہبی گروہوں میں اختلافات کوئی نئی بات نہیں' لیکن مذہبی منافرت نے ان دنوں ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ مساجد تک میں احساس تحفظ ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ صدر مملکت نے اس صورت حال کو اسلام کے لئے بدترین نقصان قرار دیتے ہوئے اسلحہ لے کر چلنے پر پابندی عائد کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ پچھلے دنوں علماء کے ایک وفد سے باتیں کرتے ہوئے انہوں نے مذہبی راہنماؤں پر بھی زور دیا کہ وہ مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے والوں سے خبردار رہیں اور فرقہ واریت کے خاتمے کے لئے اتحاد بین المسلمین کے لئے کام کریں __ "وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا"

حکومت نے اگر واقعی یہ محسوس کر لیا ہے کہ فرقہ واریت کے ذریعہ اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے تو اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ فرقہ بندی کو اس ملک میں آئینی تحفظ حاصل ہے' اس لئے اسے ختم کرنے کے لئے نہ پند و نصائح مفید ہو سکتے ہیں نہ اسلحہ پر پابندی عائد کرنا کارگر۔ اسے ختم کرنا اگر واقعی مقصود ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ کے ان ارشادات کے بعد' جن میں کہا گیا ہے کہ فرقے بنانا شرک ہے (30/31-32) اور فرقوں میں بٹ جانے والوں کا اللہ کے رسولؐ سے کوئی واسطہ نہیں رہتا' (6/160) جلد از جلد ایسا کر لینے میں کونسا امر مانع ہو سکتا ہے۔ اس کا حل بھی ہمیں قرآن ہی سے مل سکے گا۔ وضاحت کے لئے ملاحظہ فرمائیے اسی شمارے میں شامل اشاعت علامہ پرویزؒ کا مقالہ بعنوان "فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں"۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویزؒ

فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟

قرآن نے دین کو مکمل کر دیا اور اس کے بعد مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تمہارا شعار زندگی اب یہ ہے کہ

و ا عتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا ..... (3/103)

تم سب کے سب مل کر اس ضابطہ خداوندی کو محکم طور پر تھامے رہو۔ اور فرقوں میں مت بٹ جاؤ۔

یہ ہے دین کا اصل الاصول۔ اسی میں تمہاری فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے اور اسی سے خود دین کا (یعنی اس نظام زندگی کا جو تمہارے لئے تجویز کیا گیا ہے) قیام' تمکن اور استحکام وابستہ ہے۔ اس آیہ جلیلہ کے مختلف الفاظ پر غور کیجئے۔ حقیقت ابھر کر سامنے آتی جائے گی۔ سب سے پہلے یہ کہ' **حبل اللہ** ایک ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں۔ دین کا ضابطہ قرآن ہے اور یہی وہ **با لعروۃ الوثقی** (2/256) وہ محکم سہارا ہے' جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ (**لا انفصام لھا**) (2/256) کبھی دغا نہیں دے سکتا۔ جو ہر زمانے میں۔ ہر مقام پر۔ تمام نوع انسانی کے لئے واحد اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ذہن انسانی کے وضع کردہ نظام زندگی زمانے کے تقاضوں کے بدلنے سے ٹوٹتے اور بنتے۔ بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں ___ زماں زماں کنند آنچہ می تراشد عقل ___ لیکن یہ ضابطہ خداوندی زمان اور مکان کی نسبتوں سے بلند اور حدود و قیود کے امتیازات سے ماوراء ہے۔ اس کے اصول - زندگی کی وہ ابدی اور مستقل اقدار ہیں جن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ **لا تبدیل لکلمت اللہ** ..... (10/64)

دین اجتماعی ہے: (2) **و ا عتصموا** (3/103) میں جمع کے صیغے (تم سب) اور **جمیعا** کی تخصیص سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ دین' خدا اور بندے کے درمیان انفرادی تعلق کا نام نہیں کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھے۔ اپنے اپنے انداز سے "گیان دھیان" کے ذریعے خدا سے لو لگالے اور اس طرح اپنی "مکتی" (نجات) کا سامان پیدا کر لے۔ دین' اجتماعی نظام زندگی کا نام ہے۔ جس میں تمام افراد ایک ناقابل تقسیم

وحدت کی حیثیت سے رہتے اور ایک طریق پر چلتے ہیں۔ ان کی وجہ جامعیت بھی دین کا اشتراک ہے۔ اسی سے یہ سب ایک امت بنتے ہیں۔ **و کذلک جعلنکم امتہ و سطا** ..... (2/143)

(3) **جمیعا** نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ اس دین کے مطابق زندگی اسی صورت میں بسر ہو سکتی ہے جب پوری کی پوری امت ایک ہی طریق پر چل رہی ہو۔ اگر اس میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے اور ہر فرقہ نے ایک جداگانہ طریق کی پیروی اختیار کر لی' تو یہ دین باقی نہیں رہ سکتا۔ **لا تفرقوا** کے حکم نے اس حقیقت کو اور بھی نمایاں کر دیا۔ **و اعتصموا بحبل اللہ جمیعا** میں امر (حکم) تھا۔ یعنی یہ کرو اور **لا تفرقوا** میں نہیں ہے (کہ یوں نہ کرو) اور یہ ظاہر ہے کہ جس بات کو امر اور نہی۔ مثبت اور منفی کی حدوں میں گھیر کر بیان کیا جائے اس میں نہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے نہ مزید تاکید و تائید کی ضرورت۔

و اعتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا .....

ایک جامع اصول زندگی ہے جس میں کسی اختلاف یا استثناء کی قطعاً" گنجائش نہیں۔

یہ کوئی نیا اصول نہیں: (4) قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ کوئی نیا اصول زندگی نہیں جو تمہیں پہلی بار دیا جا رہا ہے۔ یہی اصول ہے جو پہلے دن سے آج تک ہر نبی کی وساطت سے دیا جاتا رہا ہے۔

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا و الذی اوحینا الیک و ما وصینا بہ ابراھیم و موسٰی و عیسٰی ..... (42/13)

اللہ نے اسی دین (نظام زندگی) کا راستہ تمہارے سامنے کھول دیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا۔ وہی دین اب تمہاری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اسی کا حکم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا ہے۔

امت واحدہ: یہ حکم کیا تھا؟ یہی کہ **ان اقیموا الدین و لا تتفرقوا فیہ** ..... (42/13) تم سب اسی دین کو قائم کرنا اور اس میں کسی قسم کا تفرقہ نہ پیدا کر دینا۔ یہی وہ دین کی وحدت اور تفرقہ سے اجتناب تھا جس سے تمام انبیاء کرامؑ (زمان اور مکان کے اس قدر بعد اور اختلاف کے باوجود) ایک "امت واحدہ" بن گئے تھے۔

و ان ھذہ امتکم امتہ واحدۃ و انا ربکم فاتقون (23/52' 21/92) اے گروہ انبیاء ! یہ تمہاری جماعت امت واحدہ ہے۔ تمہاری وجہ جامعیت یہ ہے کہ میں تم سب کا نشوونما دینے والا ہوں۔ لہٰذا

تم صرف میرے قوانین کی نگہداشت کرنا۔ یہاں اس حقیقت کو نمایاں کیا گیا کہ امت کی وحدت' ضابطہ زندگی اور قانون حیات کی وحدت پر مبنی ہوتی ہے۔ جب تک دین ایک رہے گا' امت بھی ایک رہے گی۔ یا جب تک امت ایک ہو گی' اس کا دین بھی ایک ہو گا۔ جب امت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ تو دین بھی ایک نہیں رہے گا۔ الگ الگ ہو جائے گا۔ اور چونکہ دین ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے اس لئے الگ الگ " دین " کے معنی یہ ہیں کہ اصل دین کہیں باقی نہیں رہا۔

(5) کسی امت (قوم - جماعت) میں تفرقہ پیدا کر دینا کتنا بڑا جرم ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے جسے خدا نے سورہ طہ میں بیان کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کچھ دنوں کے لئے باہر تشریف لے جاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو حضرت ہارونؑ کی زیر نگرانی چھوڑ جاتے ہیں۔ جب آپ واپس آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ قوم نے گئو سالہ پرستی اختیار کر رکھی ہے۔ اس کا جو اثر حضرت موسیٰؑ کی طبیعت پر ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے۔ وہ غصے سے لال پیلے ہو جاتے ہیں اور اپنے بھائی سے پوچھتے ہیں کہ **ما منعک اذ رایت هم ضلوا** ..... (20/92) "جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں' تو وہ کونسی بات تھی جس کی وجہ سے تم نے انہیں (اس روش سے) روکا نہیں"؟ اب سنئے کہ حضرت ہارونؑ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت ہارونؑ بھی خدا کے رسول ہیں۔ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ **انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل و لم ترقب قولی** ..... (20/94) "مجھے یہ اندیشہ گذرا کہ تو آ کر یہ نہ کہ دے کہ (اے ہارونؑ) تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے فیصلے کا بھی انتظار نہ کیا۔"

شرک سے بھی بڑھ کر: آپ نے سوچا برادران ! کہ یہ بات کیا ہوئی؟ حضرت ہارونؑ نے کہا کہ اگر یہ لوگ جہالت کی وجہ سے کچھ وقت کے لئے مورتی کی پوجا کرنے لگ گئے تھے تو میرے نزدیک یہ اتنا بڑا جرم نہیں تھا جتنا بڑا جرم ان میں تفرقہ پیدا کر دینا تھا۔ یہ جواب ایک نبی کی طرف سے دیا جاتا ہے اور دوسرا نبی اس سے مطمئن ہو جاتا ہے جیسا کہ ذرا آگے چل کر بتایا جائے گا۔ قرآن نے خود فرقہ بندی (تفرقہ) کو شرک قرار دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ گئو سالہ پرستی بھی شرک تھی اور تفرقہ انگیزی بھی شرک لیکن تفرقہ انگیزی کا شرک ایسا شدید اور سنگین تھا کہ اس سے بچنے کے لئے عارضی طور پر گئو سالہ پرستی کے شرک کو گوارا کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ قرآن اس پر شاہد ہے کہ گئو سالہ پرستی کے جرم کا ازالہ توبہ سے ہو گیا۔ **فتاب علیکم انه هوا لتواب الرحیم** (2/54) لیکن جب انہوں نے باہمی تفرقہ پیدا کر لیا اور اس طرح امت واحدہ کی بجائے مختلف گروہوں اور پارٹیوں میں بٹ گئے۔ **و قطعنا هم فی الا رض امما** ..... (7/168) تو ان پر تباہی اور بربادی۔ ذلت و خواری - محرومی و محتاجی کا ایسا عذاب مسلط ہو گیا جو ہر جگہ سائے کی طرح ان کے

پیچھے لگا رہتا تھا۔ **ضربت علیھم الذلتہ این ما ثقفوا** ..... (3/111)

(6) جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے' ہر رسول کا پیغام یہ تھا کہ' "دین کو قائم کرو اور باہمی تفرقہ مت پیدا کرو۔" ہر رسول اس پیغام کے ذریعے ایک جماعت۔ ایک امت **متشکل** کر کے جاتا۔ اس کی امت کچھ وقت تک تو متحد رہتی لیکن اس کے بعد اس میں گروہ بندیاں اور فرقہ سازیاں شروع ہو جاتیں۔ یہ کیوں ہوتا ؟

قرآن اس کی وجہ بتاتا ہے کہ

و ما تفرقوا الا من بعد ما جاء ھم العلم بغیا بینھم ..... (45/17 ،42/14)

یعنی خدا کی طرف سے **العلم** (وحی) آ جانے کے بعد' جس کا مقصد تمام اختلافات کو مٹا دینا ہے' باہمی تفرقہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ لیکن اس وحی کے وارث' باہمی ضد اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے کے جذبہ کی وجہ سے مختلف فرقے بنا لیتے ہیں۔

فرقہ سازی کا جزبہ محرکہ: یعنی اس گروہ بندی اور فرقہ سازی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انہیں دین کی کسی حقیقت کے سمجھنے میں غلطی لگ جاتی تھی۔ کوئی شق مشتبہ اور مبہم رہ جاتی تھی۔ خدا کی طرف سے دیئے ہوئے علم میں اشتباہ و ابہام کا کیا کام؟

یہ فرقہ سازی محض ہوس اقتدار کی تسکین کے لئے ہر فرقہ' دوسرے فرقہ سے آگے نکل جانا اور اس پر غالب آ جانا چاہتا۔ اس سے باہمی کش مکش اور سر پھٹول شروع ہو جاتی اور یوں اس امت واحدہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور اس کے ساتھ ہی دین بھی اس تشتت و افتراق کے پردوں میں گم ہو جاتا۔ اس سے یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آ گئی کہ فرقہ بندی علم و بصیرت اور دلائل و براہین کی بناء پر وجود میں نہیں آتی۔ اس کی بنیاد جذبات پر ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر فرقہ کے لوگ اپنے فرقہ کے برسر حق ہونے کے ثبوت میں دلائل پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور وہ کونسا جذباتی فیصلہ ہے جس کی تائید میں عقل فسوں ساز دلائل مہیا نہیں کر دیتی؟

نزول قرآن کا مقصد: (7) نزول قرآن کے وقت دنیائے مذاہب کی یہی کیفیت تھی۔ (واضح رہے کہ دین تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن جب فرقہ بندی میں اس کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں تو انہیں مذاہب کہا جاتا ہے) قرآن نے اپنے نزول کا مقصد یہ بتایا ہے کہ وہ ان تمام اختلافات کو مٹا کر' خدا کا دین قائم کرے گا اور فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو ایک امت واحدہ میں تبدیل کر دے گا۔ **و ما انزلنا علیک**

الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ ..... (16/64) "(اے رسول) تجھ پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی گئی ہے کہ جن امور میں یہ لوگ باہمی اختلافات کرتے ہیں' تو ان کی وضاحت کر دے۔" اس کے بعد' جو لوگ اس دین واحد کی صداقت کو تسلیم کر لیں گے' یہ کتاب انہیں زندگی کے صحیح راستے کی طرف راہنمائی کرے گی اور اس طرح ان کے لئے موجب رحمت بن جائے گی ___ **و ھدی و رحمتہ لقوم یومنون** ○ (16/64) " یعنی بتیان حقیقت تو تمام انسانوں کے لئے یکساں ہو گی لیکن ہدایت اور رحمت صرف انہیں کے لئے ہو گی جو اس صداقت پر ایمان لے آئیں گے۔

اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی کہ قرآن کا مقصد اولیں اختلافات کو مٹا کر دین کی وحدت کا قیام ہے اور اختلافات کا مٹ جانا خدا کی رحمت ہے۔ اسی نکتہ کی وضاحت دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کر دی گئی کہ **و لو شاء ربک لجعل الناس امتہ و احدۃ** ..... (11/118) "اگر یہ مقصود ہوتا کہ تمام انسانوں کو مجبور کر کے ایک راستے پر چلا جائے تو خدا کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔" اس نے جس طرح دیگر حیوانات کو اس انداز سے پیدا کیا ہے کہ ہر نوع کا فرد اپنی نوع اور جماعت کے ساتھ رہتا ہے۔ اس سے کبھی اختلاف نہیں کرتا۔ (مثلاً تمام بھیڑیں ایک نہج سے زندگی گذارتی ہیں اور تمام شیر ایک ہی راستے پر چلتے ہیں)۔

علی وجہ البصیرت وحدت: اسی طرح وہ انسانوں کو بھی جبلی طور پر ایک ہی راستے پر چلنے پر مجبور کر دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے انسانوں کو فکر و عمل کی آزادی دے رکھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ چاہیں تو اتحاد اور اتفاق کی زندگی بسر کریں اور چاہیں تو تشتت و افتراق پیدا کر لیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں بتا دیا گیا ہے کہ تشتت و افتراق کی زندگی عذاب کی زندگی ہے اور "ایک امت" بن کر رہنے کی زندگی رحمت اور سعادت کی زندگی۔ لیکن یہ وحدت اسی صورت میں حاصل ہو سکتی اور قائم رہ سکتی ہے کہ تم اپنے دل کی رضا مندی سے اور علی وجہ البصیرت خدا کی کتاب کو اپنا ضابطہ حیات بنا لو۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو تم نے زندگی کے مقصد کو پا لیا۔ چنانچہ جو آیت اوپر درج کی گئی ہے اس کا اگلا حصہ یہ ہے **و لا یزالون مختلفین الا من رحم ربک** ..... (11/119) ان لوگوں کے سوا جو وحی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے خدا کی رحمت کے سزا وار بن جائیں' باقی ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہیں گے حالانکہ انہیں پیدا اس لئے کیا گیا تھا کہ یہ (اپنی رضا و رغبت سے) امت واحدہ بن کر رہیں۔ **و لذلک خلقھم** ..... (11/118-119)

اس آیت سے یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ

(1) مقصود تخلیق انسانی یہ ہے کہ تمام انسان ایک امت (ایک عالمگیر برادری) بن کر رہیں اور باہمی

اختلاف پیدا نہ کریں۔

(2) یہ اختلافات صرف وحی خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے مٹ سکیں گے۔ یہ زندگی رحمت کی زندگی ہے۔

(3) جو لوگ وحی کے مطابق زندگی بسر نہیں کریں گے ان کے اختلافات مٹ نہیں سکیں گے یہ عذاب کی زندگی ہو گی۔

تفرقہ مت پیدا کر لینا: (8) ان حقائق کی وضاحت کے بعد مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ

و لا تکو نوا کالذین تفرقو ا و اختلفوا من بعد ما جاء ھم البینات ..... (3/105)

"دیکھنا ! تم بھی کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کی طرف سے واضح حقائق مل جانے کے بعد' فرقے بنا لئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگ گئے۔" **و اولئک لھم عذاب عظیم** .... (104/3) "یہ لوگ فرقوں میں بٹ جاتے ہیں اور آپس میں اختلاف کرنے لگ جاتے ہیں' ان پر سخت عذاب مسلط کر دیا جاتا ہے۔" اس کے بعد کی دو آیات میں قرآن نے بتایا ہے کہ اختلاف اور تفرقہ کی زندگی درحقیقت' ایمان کے بعد کفر کی زندگی ہے اور روسیاہی کا موجب۔ اس کے برعکس' وحدت و ائتلاف کی زندگی سے سرخروئی نصیب ہوتی ہے اور خدا کی رحمت ___

(یوم تبیض و جوہ و تسود و جوہ فاما الذین اسودت و جوھھم - اکفر تم بعد ایمانکم فذ و قوا العذاب بما کنتم تکفرون ○ و اما الذین ابیضت و جوھھم ففی رحمتہ اللہ ھم فیھا خٰلدون ○ .... (3/105-106)

ان آیات سے ظاہر ہے کہ فرقہ بندی اور باہمی اختلاف کی زندگی لعنت اور عذاب کی زندگی ہے۔ اور خدا کی رحمت ان پر ہوتی ہے جو ایک امت بن کر رہتے اور اختلافات سے بچتے ہیں۔

ضمناً یہ بھی دیکھئے کہ قرآن نے اختلاف اور افتراق کا نتیجہ عذاب عظیم بتایا ہے۔ عظیم کا لفظ جس باب سے آیا ہے اس میں دوام اور استمرار کا پہلو مضمر ہوتا ہے یعنی یہ عذاب وقتی اور ہنگامی نہیں ہو گا بلکہ استمراری اور دوامی ہو گا۔ جب تک فرقہ بندی رہے گی یہ عذاب بھی مسلط رہے گا۔

فرقہ بندی شرک ہے: (9) قرآن نے اس سے بھی آگے بڑھ کر مسلمانوں سے کہہ دیا کہ **و لا تکونو امن المشرکین** .... (30/31) "دیکھنا ! کہیں تم توحید پرست ہو جانے کے بعد پھر مشرک نہ بن

جانا"

یہ چیز بڑی تحیر انگیز اور (بظاہر) ناقابل فہم تھی کہ مسلمان' ایک خدا پر ایمان لانے کے بعد پھر مشرک کس طرح بن سکتے ہیں؟ کیا یہ بتوں کو پوجنا شروع کر دیں گے؟ قرآن کہتا ہے کہ نہیں۔ شرک بتوں کی پرستش ہی نہیں۔ جیسا کہ ہم بنی اسرائیل کی گئو سالہ پرستی کے قصے میں دیکھ آئے ہیں' بت پرستی "شرک خفی" (کم درجے کا شرک) ہے۔ " شرک جلی " اور ہے۔ اس کی وضاحت میں بتا دیا کہ مشرک ہو جانے سے مطلب یہ ہے کہ **و لا تکو نو امن المشرکین ○ من الذین فرقو ا دینھم و کانو اشیعا** ..... (30/32) یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈال دیا اور فرقے بن گئے۔ اس فرقہ بندی سے ہوتا یہ ہے کہ **کل حزب بما لد یھم فرحون** (30/31-32) ہر فرقہ اس خیال میں مگن رہتا کہ میں حق پر ہوں اور باقی فرقے باطل پر ہیں۔ فرقہ پرستی کی یہ ایسی نفسیات ہے جس کا مشاہدہ ہم ہر وقت کر سکتے ہیں۔ اس آیت میں **کل حزب** کے ٹکڑے کو خاص طور پر ذہن میں رکھئے کیوں کہ یہ ایک اہم حقیقت کا پردہ کشا ہے جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

فرقہ سازوں سے رسول ؐ کا کوئی تعلق نہیں: بہرحال قرآن نے امت واحد سے کھلے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر تم نے دین میں فرقے پیدا کر لئے تو یہ توحید نہیں' شرک ہو گا۔ اور کوئی فرقہ یہ کہہ کر اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکے گا کہ ہم اصلی اور حقیقی اسلام پر قائم ہیں اور دوسرے فرقے باطل پر ہیں۔ اسی بناء پر رسول ؐ اللہ سے کہہ دیا گیا کہ **ان الذین فرقوا دینھم و کانو ا شیعا لست منھم فی شیئی** ○ ..... (6/160) "جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر دیں' اور ایک فرقہ بن کر بیٹھ جائیں' اے رسول ! تجھے ان سے کوئی تعلق نہیں"۔ یعنی فرقے بنانے والوں سے نہ خدا کا کوئی تعلق ہے (کیوں کہ وہ توحید پرست نہیں رہتے' مشرک ہو جاتے ہیں) اور نہ ہی خدا کے رسول کا ان سے کوئی واسطہ۔ کیوں کہ رسول نے تو ایک دین قائم کیا اور ایک امت بنائی تھی۔ یہ الگ امت بنا لینے والے' درحقیقت ایک متوازی دین (نظام زندگی) کے حامل ہو گئے اس لئے انہیں اس رسول سے کیا تعلق؟

اس مقام پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ رسول ؐ اللہ نے ایک امت بنائی جو دین حق پر قائم تھی۔ اس امت میں سے ایک فرقہ نکل کر الگ ہو گیا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ نیا فرقہ شرک کے جرم کا مرتکب اور باطل پرست ہے۔ بقیہ امت کو جو اپنے مسلک پر قائم ہے اسے ایک فرقہ ٹھہرا کر اسی جرم کا مرتکب قرار دے دینا تو کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتا؟ یہ اعتراض اہم ہے لیکن اس کا جواب یا اس مشکل کا حل' ذرا آگے چل کر سامنے آئے گا۔

صلوٰۃ وجۂ جامعیت: (10) سورہ روم کی جس آیت میں کہا گیا ہے کہ **و لا تکنو نو ا من**

المشرکین ..... اس سے پہلے ہے **و اقیموا الصلوۃ** "صلوۃ کو قائم رکھو' اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔" یعنی ان میں سے جنہوں نے دین میں فرقے پیدا کر دیئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ دین میں نظام صلوۃ وہ بنیادی حقیقت ہے کہ جب تک یہ قائم رہے' فرقے نہیں بن سکتے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن نے کہا ہے کہ جب انبیاءؑ کے جانے کے بعد ان کی امت فرقوں میں بٹ جاتی ہے تو وہ حقیقت صلوۃ کو ضائع کر دیتی ہے۔ اور اپنے اپنے جذبات کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ **فخلف من بعد هم خلف اضا عو الصلوۃ و اتبعوا الشهوات** ..... ○ (19/59) اس کی زندہ شہادت خود ہماری اپنی حالت ہے۔ ہماری کیفیت یہ ہے کہ وہی صلوۃ جسے قرآن نے وحدت امت کا محکم ذریعہ بتایا تھا' آج مختلف فرقوں کی تمیز و تفریق کی علامت بن گئی ہے۔ چنانچہ اگر آپ نے دیکھنا ہو کہ فلاں شخص کس فرقے سے متعلق ہے تو یہ دیکھو کہ وہ نماز کس طرح پڑھتا ہے؟ (یہی وجہ ہے کہ جب طلوع اسلام کے خلاف اس کے مخالفین نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ ایک نیا فرقہ ہے انہیں اپنے اس دعوی کی تائید میں یہ الزام بھی تراشنا پڑا کہ یہ لوگ تین وقت کی نماز پڑھتے ہیں اور ایک رکعت میں ایک ہی سجدہ ضروری سمجھتے ہیں۔ گویا انہوں نے ثابت یہ کرنا چاہا کہ چونکہ ان کی نمازوں اور فرقوں سے مختلف ہے اس لئے یہ ایک نیا فرقہ ہے۔ حالانکہ یہ سب بہتان تراشی اور افترا پردازی تھی۔ نہ طلوع اسلام کوئی الگ نماز تجویز کرتا ہے نہ الگ فرقہ بناتا ہے۔ (جس کے نزدیک فرقہ سازی شرک ہو وہ بھلا خود فرقہ کیسے بن جائے گا؟)

مسجد ضرار: بہرحال' یہ جملہ معترضہ تھا ہم کہہ رہے تھے کہ قرآن نے صلوۃ کو امت واحدہ کے لئے وجہ جامعیت قرار دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خود رسولؐ اللہ کے زمانے میں بعض تفرقہ انگیزوں نے ایک نئی مسجد تعمیر کی تو قرآن نے جس شدت سے اس کی مخالفت کی اس کا اندازہ سورہ توبہ کی متعلقہ آیات سے لگ سکتا ہے۔ سنئے ! اور غور سے سنئے کہ قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے۔ **و الذین اتخذوا مسجدا ضرارا** ..... (9/107) "جن لوگوں نے اس غرض سے مسجد تعمیر کرائی کہ اس سے ملت اسلامیہ اور خود دین کو نقصان پہنچایا جائے۔" **و کفرا** "اور کفر کی حمایت کی جائے یا کفر کی روش اختیار کی جائے۔" **و تفریقا بین المومنین** ..... "یعنی اس غرض سے کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کیا جائے۔ تم اس مسجد کو مسجد سمجھتے ہو۔؟ یہ مسجد نہیں۔ **ارصادا لمن حارب اللہ و رسولہ من قبل** ..... "یہ وہ کمین گاہ ہے جس میں بیٹھ کر وہ شخص جو اس سے پہلے خدا اور رسول (نظام خداوندی) کا دشمن تھا۔ ملت پر تیر اندازی کرے گا۔" یعنی یہ مسجد نہیں' یہ وہ قلعہ ہے جس کے اندر خدا اور رسول کے دشمن پناہ لے کر دین کے قصر مشید کو منہدم کرنے کی مذموم کوشش کریں گے۔ **و لیحلفن ان اردنا الا الحسنی** ..... "یہ قسمیں کھا کھا کر کہیں

گے کہ اس مسجد کی تعمیر سے ہمارا ارادہ بجز بھلائی کے اور کچھ نہیں۔ ہم دین کی تخریب تھوڑا چاہتے ہیں۔" **و اللہ یشھد انھم لکنبون** ..... "تم ان کی باتوں میں نہ آ جانا۔ خدا گواہ ہے کہ یہ یکسر جھوٹے ہیں۔" **لا تقم فیہ ابدا** ..... "اے رسول ! تم اس مسجد میں ایک قدم بھی نہ رکھنا۔" یہ مسجد یونہی سمجھئے کہ دوزخ کے کنارے پر کھڑی ہے۔ جس نے اسے بنایا ہے اور جو اس میں داخل ہو گیا۔ یہ ان سب کو لے کر جہنم کے عمیق گڑھے میں جا گرے گی۔ (9/107-109) چنانچہ تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ رسولؐ اللہ نے صحابہؓ کو بھیج کر اس مسجد کو منہدم کرا دیا۔

اس واقعہ سے آپ اندازہ لگائیے کہ سلام میں فرقہ بندی کس قدر شدید اور سنگین جرم ہے کہ (اور تو اور) اگر کسی مسجد کی تعمیر سے بھی فرقہ بندی کی جھلک پڑتی ہو' تو اس مسجد کا گرا دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ مسجد گرائی جا سکتی ہے لیکن فرقہ کی طرح نہیں پڑنے دی جا سکتی۔ کیوں کہ فرقہ بندی بہ نص صریح شرک ہے اور شرک جلی۔

امت واحدہ کی تشکیل: (11) یہ تھیں وہ کھلی کھلی ہدایات جو وحدت امت کے سلسلہ میں مسلمانوں کو دی گئیں۔ انہی ہدایات کی بنا پر نبی اکرمؐ نے امت واحدہ کی تشکیل فرمائی۔ یہ وہ امت تھی جس کا نظام ایک تھا۔ ضابطہ زندگی ایک تھا۔ مرکز ایک تھا۔ دین ایک تھا۔ راستہ ایک تھا۔ نصب العین ایک تھا۔ ان میں نہ کسی قسم کا اختلاف تھا نہ افتراق۔ یہی تھی وہ جماعت جس کے متعلق خدا نے کہا ہے کہ **فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا** ..... (3/102) "اللہ نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا۔ اور دین کے ذریعہ تمہیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔" **رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ**

اس کے بعد امت پر کیا گذری؟ یہ ایک حدیث ہے' دلخراش اور داستان ہے جگر سوز۔ اس لئے تفصیل میں گئے بغیر' قرآن کے الفاظ میں صرف اتنا سن لیجئے کہ **و ما تفرقوا الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم** ..... (42/14) جس طرح امم سابقہ نے' وحی کے مل جانے کے بعد' باہمی ضد اور سرکشی کے جذبے سے دین میں فرقے بنا ڈالے تھے' یہ بھی فرقوں میں بٹ گئے۔ قرآن کے اس قدر واضح' بین اور صریح احکام و ہدایات۔ تنبیہات و تاکیدات کی موجودگی میں' امت کا فرقوں میں بٹ جانا یقیناً ایک تحیر انگیز واقعہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ امت فرقوں میں بٹی اور یہ فرقے اب تک موجود ہیں۔ اس مقام پر رہ رہ کر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ فرقوں میں بٹنے والے اپنی اس روش کے جواز میں بالآخر کوئی تو دلیل پیش کرتے ہوں گے؟ جی ہاں ! وہ دلیل پیش کرتے ہیں۔

اختلاف امتی رحمۃ: غور سے سنئے وہ دلیل کیا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ ..... رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ

اختلاف امتی رحمتہ (میری امت میں اختلاف رحمت ہے)۔ آپ نے سوچا کہ یہ بات کیا ہوئی؟ یعنی وہ اختلاف جس کے متعلق قرآن نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ وہ خدا کا عذاب ہے۔ باعث کفر ہے۔ شرک ہے۔ اسی اختلاف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ نے اسے باعث رحمت قرار دیا ! جو شخص ذرا بھی قرآنی تعلیم سے مس رکھتا ہو' وہ بلا ادنی تامل کہہ دے گا کہ عربی زبان کا یہ فقرہ کبھی رسولؐ اللہ کا نہیں ہو سکتا۔ حضورؐ نے کبھی ایسا نہیں فرمایا ہو گا۔ یہ ناممکن ہے کہ خدا ایک چیز کو عذاب قرار دے اور اس کا رسول اسے رحمت بتائے۔ لیکن آپ یہ کچھ کہتے رہئے اور فرقہ پرست اپنی بات پر اڑے رہیں گے کہ نہیں ___ رسولؐ اللہ نے ایسا فرمایا اور ضرور فرمایا تھا۔ یہ محض اس لئے کہ اگر اس فقرے کو حدیث رسولؐ اللہ قرار نہ دیا جائے تو پھر فرقہ بندی کے لئے جواز کی راہ کوئی نہیں رہ جاتی۔ لیکن وہ جو قرآن نے کہا ہے کہ جو لوگ حقیقت کو طوعا (بہ طیب خاطر) نہیں مانتے' حقیقت ان سے اپنے آپ کو کرہا (مجبورا) منوا لیتی ہے۔ اس کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے۔ عرصہ کی بات ہے کہ مرزائیوں کے خلاف یہ اعتراض کیا گیا کہ انہوں نے ایک نیا فرقہ بنا کر امت میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے کسی عمل سے امت میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو امت کو اس کے لئے ہمارا شکر گذار ہونا چاہئے نہ کہ شکوہ سنج۔ اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اختلاف امتی رحمتہ۔ ہمارا یہ نیا فرقہ امت کے لئے مزید رحمتوں کا باعث ہے۔

یہ حدیث نہیں: آپ سوچئے کہ ان کے اس جواب کا جواب الجواب کیا ہو سکتا ہے۔؟ اس کے جواب میں (جمعیت اہل حدیث کے ترجمان "الاعتصام") کو مجبورا کہنا پڑا کہ اختلاف امتی رحمتہ کوئی حدیث ہی نہیں۔ اس لئے اسے سند میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اب اس فقرے کو حدیث نہ قرار دینے سے کیا حاصل؟ اس نے جس قدر تباہی مچانی تھی اس ایک ہزار برس میں مچا دی۔ اس نے امت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے' انہیں فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر کے مستقل جنگ وجدل کا سامان پیدا کر دیا۔ اس نے ان کی سلطنتیں تباہ کر دیں۔ ان کی شوکت و عظمت کو تباہ کر دیا۔ ان کی دنیا اور عاقبت دونوں خراب کر دیں۔ ایسی عظیم ہلاکتوں اور تباہیوں کے بعد اگر اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا کہ یہ فرمان رسول نہیں ہے تو اس سے ان نقصانات کی تلافی کیا ہو گی؟ اس قسم کی ہیں وہ وضعی حدیثیں جن کے متعلق طلوع اسلام کہا کرتا ہے کہ یہ عجمی سازش کا نتیجہ ہیں' اور یہی ہے اس کا وہ جرم جس کی پاداش میں اسے گردن زدنی اور کشتنی قرار دیا جاتا ہے۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس حدیث کو وضعی قرار دیئے جانے کے باجوود' اسے فرقہ بندی کے جواز میں

برابر پیش کیا جاتا ہے۔

تہتر فرقے: بہرحال' یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ فرقہ بندی کے جواز میں' اختلاف امتی رحمتہ کو بطور دلیل پیش کیا گیا۔ لیکن اس میں ایک سقم ہے وہ یہ کہ اس کی رو سے تمام فرقے موجب رحمت' فلہذا حق پر قرار پا جاتے ہیں۔ اور فرقہ بندی اسے کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ ہر فرقہ کو سچا سمجھا جائے۔ لہٰذا اس کے لئے ایک اور حدیث وضع کی گئی جس میں کہا گیا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہو گا۔ باقی سب جہنمی ہوں گے۔ آپ نے غور فرمایا کہ اس میں ایک فرقہ کی استثناء نے کس طرح ہر فرقے کو مطمئن کر دیا کہ وہ حق پر ہے اور باقی سب باطل پر ہیں۔ قرآن کریم نے فرقوں کے متعلق کہا تھا کہ **قل حزب بما لدیھم فرحون** ..... ہر فرقہ اس زعم باطل میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ یعنی قرآن نے "**کل حزب**" (تمام فرقے) کہہ کر اس چور دروازے کو بند کر دیا تھا جس کے راستے فرقہ پرستی کا جھوٹا اطمینان داخل ہو سکتا تھا۔ لیکن اس وضعی روایت نے "ایک فرقہ" کی استثناء سے اس چور دروازے کو چوپٹ کھول دیا۔ چنانچہ ہماری ہزار سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اسی استثناء کی آڑ میں ہر فرقہ اپنے آپ کو ناجی اور دوسرے فرقوں کو جہنمی قرار دینے کے "جہاد عظیم" میں مصروف چلا آ رہا ہے اور ان کے خون کے چھینٹوں کو اپنے لئے وجہ سرخروئی سمجھ رہا ہے۔

ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوؤں کا مشغلہ روز اول سے جاری چلا آ رہا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کی جڑیں آئے دن وجہ سوہان روح ہوتی ہیں۔ ان فسادات کی بیشتر بنیاد مساجد کی "تقسیم" ہوتی ہے۔ باہمی جھگڑے طول کھینچتے ہیں تو پولیس مسجد پر تالہ لگا دیتی ہے۔ مقدمہ عدالت تک پہنچتا ہے۔ اور اس تمام دنگہ فساد میں ہر فرقہ اپنے آپ کو ناجی اور فریق مقابل کو جہنم کا کندہ قرار دیتا ہے اور ستم ظریفی یہ کہ دونوں اپنے آپ کو اس اسلام کے پیرو قرار دیتے ہیں جس نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیا تھا۔

پس چہ باید کرد؟ (12) سوال یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟ فرقے بہرحال موجود ہیں اور ان میں کوئی بھی اپنے آپ کو مٹانے کے لئے تیار نہیں' ہر فرقہ' فرقے مٹانے کی تدبیر یہ بتاتا ہے کہ دوسرے فرقے اپنے آپ کو اس فرقے میں شامل کر لیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس کے لئے کوئی فرقہ بھی تیار نہیں۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس مشکل کا حل کیا ہے؟ یہ سوال بڑا اہم اور بڑا نازک ہے۔ اس لئے اس پر گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے۔

(i) قرآن کا دعوی ہے کہ وہ ہر قسم کے اختلاف کو مٹانے آیا ہے۔

(ii) اس پر ہمارا ایمان ہے۔

(iii) قرآن ہمارے پاس اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔

اب آپ سوچئے کہ اگر ہم اس کے بعد بھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اختلافات مٹ نہیں سکتے اور فرقے ختم نہیں ہو سکتے تو اس کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے؟ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ (معاذ اللہ) قرآن میں اب اس کی صلاحیت نہیں کہ وہ اختلافات مٹا سکے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا آپ میں سے کوئی بھی ایسا کہنے کی جرات کر سکتا ہے؟ لیکن اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اب ہمارے فرقے مٹ نہیں سکتے تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ ہم عملاً اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن کا یہ دعوی صحیح نہیں کہ وہ فرقوں کو مٹا سکتا ہے ! اگر قرآن کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے تو ہمیں سب سے پہلے اس خیال کو دماغ سے نکال دینا ہو گا کہ قرآن کے ہوتے ہوئے بھی فرقے نہیں مٹ سکتے۔ یاد رکھئے ! قرآن کا ہر دعوی سچا ہے اور اس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اختلافات کو مٹا دے۔ اس کے بعد سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ طریق کیا ہے جس کے مطابق قرآن اختلافات کو مٹاتا ہے۔

فرقہ اہل قرآن: آج سے کچھ عرصہ پہلے ہمارے ہاں (پنجاب میں) ایک جماعت پیدا ہوئی جس کا دعوی یہ تھا کہ وہ خالص قرآن پر عمل کرے گی اور اس طرح مسلمانوں میں پیدا شدہ اختلافات کو مٹا دے گی۔ یہ مقصد بڑا نیک اور یہ دعوی بڑا مبارک تھا۔ لیکن اس کا جو عملی نتیجہ ہمارے سامنے آیا وہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ اس سے سابقہ فرقوں کو مٹانا تو کجا' ان میں ایک اور فرقے "اہل قرآن" کا اضافہ ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اختلافات مٹانے کے لئے قرآن نے جو طریق بتایا تھا وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ اس لئے ان کی یہ کوشش ناکام رہی۔ بدقسمتی یہ کہ ان کی ناکامی نے خود قرآن کے مشن کو بڑا نقصان پہنچایا۔ اس طرح کہ اب اگر کسی سے کہا جاتا ہے کہ ہمارے اختلافات قرآن کی رو سے مٹ سکتے ہیں تو اس کے جواب میں طنزا یا ٹھنڈی سانس بھر کر کہہ دیا جاتا ہے کہ صاحب ! یہ نسخہ بھی آزمایا جا چکا اور ناکام ثابت ہو چکا ہے۔ یعنی ان حضرات کی ناکامی نے خود قرآن کے متعلق یہ خیال پیدا کر دیا کہ (معاذ اللہ) اس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں رہی کہ یہ اختلافات کو مٹا سکے۔

اختلافات مٹانے کا طریق: (13) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن ان اختلافات کو مٹانے کا کیا طریق بتاتا ہے؟ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ

و ما اختلفتم فیه من شئی فحکمه الی الله ..... (42/10)

"جس معاملہ میں بھی تمہیں اختلاف ہو اس کا فیصلہ (حکم) اللہ کی طرف سے ہونا چاہئے۔"

اس میں "حکم" کا لفظ غور طلب ہے۔ یعنی یہ انفرادی چیز نہیں کہ دو آدمیوں میں کسی بھی مسئلہ میں اختلاف ہو اور وہ اپنے طور پر قرآن سے فیصلہ لینے بیٹھ جائیں۔ متنازعہ فیہ امور میں حکم یا فیصلہ' ہمیشہ تیسرے مقام سے ملا کرتا ہے اسے حکم یا ثالث کہتے ہیں۔ اسی مقصد کے لئے قرآن نے رسولؐ اللہ سے کہا تھا کہ

فلا و ربک لا یو منو ن حتی یحکمون فیما شجر بینھم ثم لا یجد و ا فی انفسھم حرجا مما قضیت و لیلمو تسلیما ○ (4/65)

"تیرا رب اس حقیقت پر شاہد ہے کہ یہ کبھی صاحب ایمان نہیں کہلا سکتے' جب تک یہ اپنے اختلافی امور میں تجھے اپنا حکم (فیصلہ دینے والا) تسلیم نہ کریں اور جو فیصلہ یہاں سے صادر ہوا' اس کے خلاف اپنے دل میں گرانی محسوس نہ کریں بلکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔"

زندہ مرکز: یعنی قرآن سے فیصلہ انفرادی طور پر نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے لئے ایک زندہ اور محسوس ثالث اور حاکم کی ضرورت ہو گی۔ اس فیصلہ کرنے والی اتھارٹی کو قرآن میں "اللہ اور رسول" کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس آیت سے چند آیات پہلے ہے۔

یا یھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ..... (59/4)

"اے جماعت مؤمنین ! تم اللہ اور ..... رسول کی اطاعت کرو۔ اور تم میں سے جنہیں (اللہ اور رسول کی طرف سے) صاحب اختیار بنایا جائے ان کی اطاعت کرو۔"

فا ن تنازعتم فی شی ء فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تومنون باللہ و الیوم الاخر ..... (4/59)

"اگر تم میں کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو (اسے اپنے طور پر حل کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ) اسے "اللہ اور رسول" کی طرف لوٹا دو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو سمجھا جائے گا کہ تمہارا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں ہے۔"

اس کے معنی صاف یہ ہیں کہ دو افراد میں اختلاف تو ایک طرف' اگر افسران ماتحت کے کسی فیصلہ سے بھی اختلاف ہو تو اسے قرآنی نظام کی مرکزی اتھارٹی (اللہ اور رسول) کی طرف لوٹا دو۔ یہی شرط ایمان ہے۔

اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو یہ کفر ہو جائے گا۔

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قرآن نے تفرقہ اور اختلاف کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔ اس کفر سے محفوظ رہنے کی عملی شکل یہ بتائی گئی ہے کہ امت کے پاس قرآن ہو اور قرآن کی روشنی میں فیصلہ دینے والا رسول۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں ہے

و کیف تکفرون و انتم تتلی علیکم ایت اللہ و فیکم رسولہ .....

(3/100)

"تم کس طرح کفر میں مبتلا ہو سکتے ہو؟ جب کہ حالت یہ ہے کہ تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے اور اس کے ساتھ تم میں اس کا رسولؐ موجود ہے۔"

اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک امت میں (i) قرآن' اور (ii) رسول موجود ہو فرقے پیدا نہیں ہو سکتے۔

اس سے ہمارے سامنے ایک اور سوال آ گیا۔ اور وہ یہ کہ قرآن کی ان آیات سے تو یہ معلوم ہوا کہ رسولؐ اللہ کی موجودگی (یعنی زندگی) تک امت نے فرقوں سے بچے رہنا تھا۔ لیکن آپ کے بعد فرقوں سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ کیوں کہ فرقوں سے بچنے کے لئے قرآن اور رسول دونوں کی موجودگی کی ضرورت تھی اور جب ان میں سے ایک جزو (رسول) موجود نہ رہا تو فرقہ بندی سے محفوظ رہنے کا امکان بھی باقی نہ رہا۔

فیکم رسول کے معنی: قرآن کہتا ہے کہ تم نے بات کو صحیح طور پر نہیں سمجھا۔ تم اس خیال میں ہو کہ رسولؐ کی موجودگی سے مراد یہ ہے کہ جب تک محمدؐ رسول اللہ تم میں زندہ موجود ہیں اس وقت تک یہ شکل باقی رہے گی۔ جب وہ وفات پا جائیں گے تو "رسول" موجود نہیں رہے گا۔ یہ بات غلط ہے۔ یہ سلسلہ رسول کی طبعی زندگی سے مشروط نہیں۔ اس کے بعد بھی قائم رہے گا۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں یہ کہہ کر اس کی صراحت کر دی گئی کہ

و ما محمد ا لا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افا ئن ما ت اوقتل انقلبتم علی اعقابکم ..... (3/144)

"محمدؐ بجز اس نیست کہ اللہ کا رسول ہے۔ اس سے پہلے بہت سے رسول (اپنا فریضہ پیغام رسانی ادا کرنے کے بعد) دنیا سے چلے گئے۔ سو اگر (کل کو) یہ وفات پا جائے یا قتل کر دیا

جائے تو کیا تم یہ سمجھ کر کہ یہ نظام اس کی زندگی تک محدود تھا) پھر اپنی سابقہ روش کی طرف لوٹ جاؤ گے"؟

و من ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیا ..... (3/144)

"جو (رسول کی وفات پر) اپنی سابقہ روش پر لوٹ جائے گا تو وہ اللہ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔" (اپنا ہی کچھ بگاڑے گا)۔

رسولؐ اللہ کے بعد: اس سے بات بالکل واضح ہو گئی۔ یعنی یہ کہ **و فیکم رسول اللہ** ..... سے مراد رسولؐ اللہ کی طبعی زندگی نہیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ بدستور باقی رہ سکتا تھا۔ جب رسولؐ اللہ وفات پا گئے تو امت میں کہرام مچ گیا۔ ایسا ہونا فطری امر تھا۔ شدت جذبات میں بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جس نظام کو رسولؐ اللہ نے قائم فرمایا تھا' اب وہ ختم ہو گیا۔ اس کے لئے **و فیکم رسولہ** ..... کی شرط تھی۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ برسر منبر تشریف لائے اور **و فیکم رسولہ** ..... کا قرآنی مفہوم اس انداز سے سمجھا دیا کہ اس سے بہتر انداز کوئی ہو نہیں سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ

یا یھا الناس ! من کان منکم یعبد محمدا فانہ قد مات و من کان یعبد اللہ فانہ حی لا یموت

"اے لوگو ! جو تم میں سے محمدؐ کی محکومیت اختیار کئے تھا۔ اسے معلوم ہو جانا چاہئے کہ اس کا معبود وفات پا گیا ہے لیکن جو خدا کی محکومیت اختیار کئے تھا۔ اس کا معبود زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

اس کے بعد آپ نے وہی آیت پڑھی جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ یعنی **و ما محمدا الا رسول** ..... اس سے حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ گئی۔ حاضرین سمجھ گئے کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد یہ نظام کس طرح قائم رہے گا۔ چنانچہ وہ اٹھے اور انہوں نے فوراً خلیفتہ الرسول (یعنی رسول اللہ کے جانشین) کا انتخاب کیا اور اس طرح رسولؐ اللہ کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے پر کر لیا۔ اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ کسی کے جانشین کی موجودگی خود اس کی اپنی موجودگی ہوتی ہے۔ اس طرح امت میں "قرآن اور رسول" بدستور موجود رہے۔

خلیفتہ الرسول کی حیثیت: اس مقام پر اتنا اور واضح کر دینا ضروری ہے کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے

بعد اسلامی نظام قائم کرنے کے فریضہ کی ادائیگی پوری امت کے ذمے عائد ہوتی تھی۔ اس لئے کہ قرآن نے واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ

(i) کتاب اللہ کی وارث امت ہے نہ کہ کوئی ایک فرد۔ سورہ فاطر میں ہے۔

و الذی اوحینا الیک من الکتاب ھو الحق مصدقا لما بین یدیه - ان الله بعباده لبخبیر بصیر (35/31)

"اللہ وہ ہے جس نے تیری طرف (اے رسول) یہ کتاب نازل کی جو ان حقیقتوں کو سچ کر دکھانے والی ہے جو اس کے سامنے ہیں"

ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا ..... (35/31-32)

"اس کے بعد اس نے اس کتاب کی وراثت کے لئے اپنے بندوں میں سے (اس امت کو) منتخب کر لیا ہے۔"

یعنی پہلی بات یہ ہے کہ قرآن کی وارث پوری کی پوری امت ہے۔ اس کے بعد آگے بڑھئے۔

(ii) رسولؐ اللہ کا فریضہ یہ تھا کہ **یا مرھم بالمعروف و ینھا ھم عن المنکر** ..... (7/157) وہ معروف کا حکم دیتا تھا اور منکر سے روکتا تھا۔ اب یہی فریضہ امت کی طرف منتقل ہو گیا۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں ہے

کنتم خیر امته اخر جت للناس تامرون با لمعروف و تنھون عن المنکر ..... (3/109)

"تم بہترین امت ہو' جسے نوع انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو۔"

امت کا نمائندہ: ان حقائق سے واضح ہے کہ رسولؐ اللہ کی جانشین درحقیقت پوری کی پوری امت ہے۔ عملی انتظام کی سہولت کے لئے امت اپنے میں سے بہترین فرد کو اپنا نمائندہ بنا کر اس سلسلہ کو قائم رکھتی ہے۔ اس طرح امت میں "کتاب اور رسول" بدستور باقی رہتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں اختلافات کے رونما اور فرقوں کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں رہتا۔ چنانچہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ دور خلافت میں نہ کوئی اختلاف پیدا ہوا' نہ کسی فرقے نے جنم لیا۔ اس لئے کہ اس دور میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی اختلافی معاملہ کے تصفیہ کے لئے افراد امت از خود فیصلہ کرنے بیٹھ گئے ہوں۔ اختلافی امور میں مرکزی

اتھارٹی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اور اس کے فیصلوں کی اطاعت سب پر لازم تھی۔ اسی اتھارٹی کو خلافت علی منہاج نبوت کہا جاتا ہے۔

ایک اہم سوال کا جواب: یہیں سے ہمیں اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے جس کی طرف میں نے شروع میں اشارہ کیا تھا۔ یعنی یہ سوال کہ امت ایک طریق پر قائم ہے۔ کچھ لوگ اس طریق سے اختلاف کر کے الگ فرقہ بنا لیتے ہیں۔ اس صورت میں امت دو فرقوں میں بٹ گئی۔ جن لوگوں نے الگ فرقہ بنا لیا وہ تو یقیناً مجرم ہیں۔ لیکن جو پہلے طریق پر قائم رہے انہیں تو مجرم نہیں قرار دیا جا سکتا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ یہ ہے وہ دلیل جسے ہر فرقہ کی طرف سے یہ کہہ کر پیش کیا جاتا ہے کہ ہم حقیقی اسلام پر قائم ہیں اور الگ فرقے دوسروں نے بنائے ہیں۔ لیکن ایسا کہنے میں اس حقیقت کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ جب تک **فیکم رسولہ** کی کیفیت رہے۔ یہ صورت جسے یوں بیان کیا جاتا ہے' پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ اس وقت اگر کوئی جماعت امت سے اختلاف کرے گی تو رسولؐ کا جانشین قرآن کے اس حکم کے ماتحت کہ **ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا لست منھم فی شئی** ..... (6/160) اس امر کا اعلان کر دے گا کہ امت کو اس نئے فرقے سے کوئی سروکار نہیں۔ لہٰذا وہ امت کا فرقہ کہلا ہی نہیں سکے گا۔ اسے مسلمانوں سے کچھ واسطہ ہی نہیں رہے گا۔ وہ اسلام کے دائرہ سے خارج ہو گا۔ اس لئے امت' امت واحدہ ہی رہے گی۔ یعنی خلافت علی منہاج نبوت میں' مسلمانوں میں کوئی فرقہ پیدا ہی نہیں ہو سکے گا۔

بہرحال یہ تھی وحدت امت کی وہ عملی شکل جسے قرآن نے رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد تجویز کیا تھا۔ اور جسے حضورؐ کی وفات کے بعد اختیار کیا گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ صورت قائم نہ رہی' خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔ سلاطین نے اپنی مصلحتوں کے ماتحت سیاست کو مذہب سے الگ کر لیا۔ اس یکسر غیر قرآنی تقسیم کی رو سے سیاست سے متعلق امور کے فیصلے بادشاہ خود کرتے تھے۔ باقی رہی شریعت' سو اس کے متعلق اس کے سوا کوئی صورت ہی نہ تھی کہ لوگ انفرادی طور پر فیصلے کرتے۔ اس ضمن میں ایک اور دشواری سامنے آئی۔ قرآن نے "اللہ اور رسول" کی اطاعت کا حکم دیا تھا۔ "اللہ اور رسول" کا جو مفہوم قرآنی نظام میں لیا جاتا تھا۔ اس مفہوم کی اب گنجائش ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ اب وہ نظام ہی باقی نہ تھا۔ لہٰذا اب "اللہ اور رسول" کی اطاعت کا کوئی نیا مفہوم لیا جانا ناگزیر ہو گیا۔ اللہ کی اطاعت کے متعلق تو سمجھ لیا گیا کہ اس سے مراد کتاب اللہ کی اطاعت ہے' لیکن رسولؐ کی اطاعت کس طرح کی جائے۔ یہ سوال مشکل تھا۔ اس کے حل کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی کہ حضورؐ کی احادیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ زمانہ خلافت میں چونکہ اطاعت رسول کا عملی مفہوم سامنے تھا۔ اس لئے احادیث کے جمع اور مرتب

کہ یہ قرآن کی تعلیم نہیں اور اگر آپ اس کی تردید نہیں کر سکتے تو پھر آپ کے برا فروختہ ہو جانے سے قرآنی حقیقت اپنی جگہ سے بدل نہیں جائے گی۔

یاد رکھئے ! جب تک آپ اس تلخ حقیقت کو گوارا نہیں کر لیتے کہ فرقہ بندی کی زندگی قطعاً" اسلامی زندگی نہیں' آپ قرآن کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر نہیں آ سکتے۔ قرآن کی رو سے صراط مستقیم ایک ہی ہے۔ جب امت مختلف راستوں پر چل نکلے تو پھر وہ صراط مستقیم کسی کے سامنے بھی نہیں رہتا۔ سورہ انعام میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ

و ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ و لا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم وصاکم بہ لعلکم تتقون (6/154)

یاد رکھو ! میرا یہی ایک سیدھا راستہ ہے۔ "پس تم سب اس کا اتباع کرو۔ اس کے سوا دوسرے راستوں پر نہ چلو۔ وہ راستے تمہیں اس صراط مستقیم سے متفرق اور پراگندہ کر دیں گے۔ اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے تاکہ تم تقوی شعار رہ سکو۔"

بات پھر پھرا کر وہیں آ گئی کہ

(1) فرقے صرف اسلامی نظام میں مٹ سکتے ہیں۔

(2) اسلامی نظام کے معنی ہیں ایک ایسی مملکت کا قیام جو قرآنی اصولوں کے مطابق وجود میں آئے اور جس کا تمام کاروبار قرآنی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے۔

(3) اس مملکت کی طرف سے جو قوانین نافذ ہوں گے' ان کا اطلاق مملکت کے تمام مسلم باشندوں پر یکساں ہو گا۔ اس میں نہ کوئی فرقہ ہو گا نہ کسی فرقہ کی الگ فقہ - قرآن سب کا ضابطہ قوانین ہو گا۔

قرائن بتا رہے ہیں کہ اس قسم کی قرآنی مملکت کے قیام کے لئے موجودہ مسلمان کبھی راضی نہیں ہوں گے کیوں کہ' یہ سب فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور کوئی فرقہ اپنی فقہ کو چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ اس سے آپ لا محالہ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہم (موجودہ مسلمانوں) میں نہ ایسا نظام قائم ہو سکتا ہے' نہ فرقے مٹ سکتے ہیں۔

اس کا عملی مفہوم یہی ہے کہ اسلامی نظام اس قوم میں قائم ہو سکے گا جو مندرجہ بالا اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اسلام لائے گی ---- خواہ وہ موجودہ مسلمانوں میں سے ہوں اور خواہ پہلی بار اسلام لائے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو بھی جو ایمان لانے کے لئے کہا ہے تو اس سے یہی مراد ہے۔ ارشاد ہے:۔ **یا یھا**

الذین امنوا امنوا باللہ و رسولہ و الکتب الذی نزل علی رسولہ ..... (4/136)

اے مسلمانو ! تم' ایمان لاؤ اللہ پر' اس کے رسول پر' اور اس کتاب پر جسے خدا نے اپنے رسول پر نازل کیا تھا۔

یہ از سر نو ایمان لانا درحقیقت' فرقہ وارانہ زندگی کو خلاف اسلام تسلیم کر کے' قرآنی نظام کے قیام کی طرف پیش رفت کے لئے قدم اٹھانا ہے۔

یہ مرحلہ بڑا دشوار گذار نظر آتا ہے لیکن' اس کے سوا احیاء اسلام کی کوئی صورت نہیں۔ اگر ہم اپنی موجودہ غیر اسلامی زندگی کو اسلامی کہہ کر اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں' تو اس سے ہماری زندگی' اسلامی نہیں ہو جائے گی ! اسلامی زندگی کے لئے "امت واحدہ" (جس میں کوئی فرقہ نہ ہو) بنیادی شرط ہے' اور یہ صرف قرآنی مملکت میں ممکن ہے۔

PLEASE NOTE CAREFULLY

Postal Address:	IDARA TOLU-E-ISLAM 25-B, GULBERG 2, LAHORE 54660 PAKISTAN
Bank Account	Current 3062, Natioanl Bank of Pakistan, Main Market Gulberg 2 Lahore, Pakistan
Fax Number	94-42-876219
Phone No.	876219 - 879246

(The Fax Machine, installed in Idara, has been donated by Mr. Inamullah Arain, 100 Indian Trail Road, OakBrook, Illinois 60521 USA., for which the Idara is highly indebted to him, with deep snese of gratification. Faux pas in last line, on page 72 of September issue is regretted)

الذین امنوا امنوا باللہ و رسولہ و الکتب الذی نزل علی رسولہ ..... (4/136)

اے مسلمانو ! تم' ایمان لاؤ اللہ پر' اس کے رسول پر' اور اس کتاب پر جسے خدا نے اپنے رسول پر نازل کیا تھا۔

یہ از سر نو ایمان لانا درحقیقت' فرقہ وارانہ زندگی کو خلاف اسلام تسلیم کر کے' قرآنی نظام کے قیام کی طرف پیش رفت کے لئے قدم اٹھانا ہے۔

یہ مرحلہ بڑا دشوار گذار نظر آتا ہے لیکن' اس کے سوا احیاء اسلام کی کوئی صورت نہیں۔ اگر ہم اپنی موجودہ غیر اسلامی زندگی کو اسلامی کہہ کر اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں' تو اس سے ہماری زندگی' اسلامی نہیں ہو جائے گی ! اسلامی زندگی کے لئے "امت واحدہ" (جس میں کوئی فرقہ نہ ہو) بنیادی شرط ہے' اور یہ صرف قرآنی مملکت میں ممکن ہے۔

PLEASE NOTE CAREFULLY

Postal Address:	IDARA TOLU-E-ISLAM 25-B, GULBERG 2, LAHORE 54660 PAKISTAN
Bank Account	Current 3062, Natioanl Bank of Pakistan, Main Market Gulberg 2 Lahore, Pakistan
Fax Number	94-42-876219
Phone No.	876219 - 879246

(The Fax Machine, installed in Idara, has been donated by Mr. Inamullah Arain, 100 Indian Trail Road, OakBrook, Illinois 60521 USA., for which the Idara is highly indebted to him, with deep snese of gratification. Faux pas in last line, on page 72 of September issue is regretted)

قادیانیت

صد سالہ فتنہ قادیانیت کے بارے میں مشاہیر ملت' علماء کرام' مشائخ عظام' قائدین قوم' ارباب اقتدار' نامور صحافیوں' قابل قدر دانشوروں کے فکر انگیز مشاہدات و تاثرات پر مبنی کتاب "قادیانیت -- ہماری نظر میں" سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

"ہنٹر کی مشہور کتاب "Our Indian Muslims" اور "تحریک وہابیت" کی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ" انگریزوں کے خطرہ اور وسوسہ کی صاف غماز ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس خطرہ کا اصلی سبب مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جہاد دین کا سب سے بڑا فریضہ اور جنت کا کفیل ہے اور اس فریضہ کی تکمیل اس وقت ہو گی جب مہدی آخر الزمان آئیں گے اور پھر ساری دنیا پر اسلام کا غلبہ ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ جب تک مسلمانوں کے دلوں میں یہ عقائد موجود ہیں' انگریزوں کی سلطنت کو بقا حاصل نہیں ہو سکتا' لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ انہیں ایک ایسا مہدی دے دیا جائے جو جہاد کو حرام قرار دے دے اور انگریزوں کی وفاداری کو عین اسلام ثابت کر دے۔ انگریزی استعمار کی یہ ضرورت تھی جسے تحریک قادیانیت نے پورا کر دیا -- مرزا غلام احمد نے سب سے پہلے عیسائیت کی مخالفت کے رنگ میں اپنے آپ کو متعارف کرایا اور جب اس طرح سے مسلمانوں کی توجہات کو اپنی طرف کھینچ لیا تو پھر انہیں آہستہ آہستہ جہاد کی حرمت اور انگریزوں کی وفاداری کی افیون پلانی شروع کی اور اس مقصد کے لئے افیونی اثر کو عقیدت کی گہرائیاں بھی میسر ہو گئیں۔ مجددیت' مہدویت' بروزیت' مسیح موعودیت اور بالآخر نبوت کے جال پھیلائے گئے۔ چنانچہ سادہ لوح مسلمان اس جال میں پھنستے چلے گئے اور جو نہ پھنسے ان کی تمام قوتیں اس تحریک کی مخالفت میں ضائع ہو گئیں۔ یہی انگریز کا مقصد تھا کہ مسلمان کو اس طرح الجھایا جائے کہ اس کی توجہ کسی اور طرف بٹنے نہ پائے -- اور محض اس لئے کہ وہ سادہ لوح مسلمان' جو ان لوگوں کے چند تراشے ہوئے فقروں اور گھڑی ہوئی دلیلوں سے ان کے دام ہمرنگ زمین کا شکار ہو جاتے ہیں' خود دیکھ سکیں کہ یہ لوگ خدا' رسول' قرآن اور اسلام

کے ساتھ کس قدر مذاق کر رہے ہیں؟ یہ مدعی نبوت کے مقام کو سمجھتا ہے نہ اس کے منصب کو، نہ اسے قرآن کا کچھ علم ہے نہ نظام دین کا کوئی پتہ۔ نہ ہی اسے اپنے متعلق یاد رہتا ہے کہ میں آج کیا کہہ رہا ہوں اور کل کیا کہہ گیا تھا؟ پھر ان لوگوں کی منافقت کا یہ عالم ہے کہ مفاد کے حصول کے لئے اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار بھی کراتے رہتے ہیں۔ غور کیجئے کہ گزشتہ پچاس سال سے ان لوگوں نے ملت اسلامیہ کی توجہات کو کن لاحاصل مباحث پر مرکوز کر کے اس کی قوت و توانائی کو کس بری طرح سے ضائع کیا ہے۔ یہ ان کی بڑی گہری سازش تھی"۔

اس اقتباس کے خالق ہیں علامہ غلام احمد پرویزؒ جنہیں نام کی مماثلت سے کچھ شیاطین غلام احمد قادیانی کے ساتھ جوڑنے کی سعی لاحاصل میں مصروف ہیں۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرحیم

بقایا کھاتہ داران سے اپیل

ماہنامہ "طلوع اسلام" قرآنی فکر کو عام کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ سالانہ خریداروں کے علاوہ پرچہ سینکڑوں اداروں اور اہم شخصیتوں کو تحفتاً بھی بھیجا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے انتظامیہ کو ہر سال خاصا خسارا برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اگر باقاعدہ خریدار بھی بقایاجات بر وقت ادا نہ کریں تو اس اہم کام کی راہ میں مالی دشواری حائل ہو سکتی ہے۔

لہٰذا آپ سے التماس ہے کہ براہ کرم اپنے بقایا جات کی ادائیگی کر کے ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیں بلکہ مزید [illegible] اچھی ہی نہیں بہترین خدمت کیجئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بلغ ما انزل الیک من ربک

تبلیغ دین!

قارئین گرامی ! السلام علیکم- جیسا کہ آپ بھی جان چکے ہیں اسلام محض چند عقائد اور مذہبی رسوم کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ قوانین ہے- جو نظام زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہے- اس کا مقصد صرف پندو نصائح کے ذریعے اصلاح اخلاق نہیں بلکہ اس کا نصب العین دنیا میں ایک ایسے نظام حکومت کا قیام ہے جو اس زمین پر خدا کے جلال و جبروت کا تخت بچھائے- ایک انسان کو دوسرے انسان کی غلامی و محکومی پر مجبور کرنے کی بجائے اسے صرف ایک خدا کا غلام و محکوم بنائے- اس "آسمانی بادشاہت" کے سایہ عاطفت میں ایک ایسا خوشگوار ماحول پیدا ہو جاتا ہے- جس میں انسانیت اپنے مختلف ارتقائی منازل طے کر کے مواج کمال کو پہنچتی ہے- اس ماحول میں ہر شخص صحیح معنوں میں آزادی ضمیر اور حریت فکر کی متاع گراں بہا سے بہرایاب ہوتا ہے- اور کوئی بالادست کسی زیردست پر ظلم و ستم اور جور و استبداد روا نہیں رکھ سکتا- اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نظام زندگی میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محتاج نہیں ہوتا-

حکومت الہیہ کا یہ نظریہ محض تصورات کی دنیا تک ہی محدود نہیں رہا- بلکہ نبی اکرم صلعم اور آپؐ کی تیار فرمودہ مقدس جماعتؓ نے اپنے ایمان محکم اور عمل پیہم سے اس نظام حکومت کو دنیا میں عملی طور پر قائم کر کے بتا دیا اور اس طرح دکھا دیا کہ یہ جہنم زار دنیا کیسے عدل و انصاف اور سکون و طمانیت کی جنت بن سکتی ہے-

یہ تھا اسلام کا نصب العین- لیکن افسوس کہ یہ نصب العین ایک عرصہ سے مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے اور ان کے نزدیک اسلام بھی دیگر مذاہب کی طرح چند عبادات و رسوم کی ظاہری شکل بن کے رہ گیا ہے- نتیجہ اس کا یہ کہ وہ نظام جو تمام نوع انسانی کو ایک حقیقی زندگی کا پیغام دینے کے لئے آیا تھا ایک جسد بے روح بن گیا ہے- اس وقت جب کہ دنیا اپنے موجودہ نظام ہائے زندگی کے ناکام تجارب سے تنگ آ کر ایک عظیم الشان انقلاب کی ضرورت محسوس کر رہی ہے- ضرورت ہے کہ اس کے سامنے اسلام کو اس کے صحیح خط و خال میں پیش کیا جائے- اور اس کے لئے سب سے پہلے خود مسلمانوں کو بتایا جائے کہ وہ

نظام جس کے یہ وارث چلے آتے ہیں۔ اس کا صحیح نصب العین اور لائحہ عمل کیا ہے؟

اللہ کا کرم ہے کہ اس باب میں طلوع اسلام یہ خدمت 1938ء سے سرانجام دے رہا ہے اس کی ہر کڑی اس حقیقت عظمیٰ کی طرف راہ نمائی کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔

غالباً یہ امر آپ سے پوشیدہ نہ ہو گا کہ ادارہ طلوع اسلام کوئی تجارتی ادارہ نہیں ہے اس کے شائع کردہ مضامین ہزاروں کی تعداد میں غیر مستطیع لیکن صاحب ذوق و نظر طبقہ میں مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ماہنامہ طلوع اسلام جو قیمتاً" دیا جاتا ہے اس سے حاصل ہونے والی آمدنی اسی کی لاگت پر صرف ہو جاتی ہے۔

قارئین کرام ! اگر آپ بھی یہ محسوس کر رہے ہیں کہ طلوع اسلام اشاعت دین کے لئے کوئی قابل قدر خدمت سرانجام دے رہا ہے تو آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ بٹائیں۔ وہ اس طرح کہ

اپنے احباب کو طلوع اسلام کا خریدار بنایئے۔

اپنے شہر میں طلوع اسلام کی ایجنسی قائم کیجئے۔

کسی مقامی ایجنٹ کو تیار کیجئے کہ وہ طلوع اسلام منگوائے۔

ممکن ہو تو اپنے علاقہ سے طلوع اسلام کے لئے اشتہار مہیا کیجئے۔

ہمیں یقین ہے کہ آپ اس کار خیر میں حصہ لینے کے لئے بیتاب ہوں گے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ پہل کہاں سے ہوتی ہے۔

آپ کا بھائی

اعزاز الدین

(بریگیڈئر ریٹائرڈ)

اعزاز الدین احمد خاں چیرمین ادارہ طلوع اسلام

ایک شمع اور بجھ گئی

پرچہ پریس میں جا چکا تھا۔ اطلاع ملی کہ محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ، جو ایک عرصہ سے بیمار تھیں آج صبح ہسپتال میں وفات پا گئیں۔ تفصیلات اگلے شمارہ میں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

محمد لطیف چوہدری

ناظم ادارہ

22-09-94

ایمان باللہ - نظریہ توحید

(مقبول محمود فرحت (انگلینڈ)

دنیا میں کسی فرقہ - قبیلہ - قوم پر آپ نگاہ ڈالیں اس کے تہذیب و تمدن کا مطالعہ کریں تو اس میں کسی اعلیٰ ہستی کا اقرار پایا جائے گا- ایسی ہستی جس کے سامنے سرجھکایا جائے- ماہرین آثار Archeologists ماہرین عمرانیات Anthropologists اور مورخین کی تحقیق ہے کہ انتہائی پست ترین قبیلہ قوم میں بھی کسی اعلیٰ برتر ہستی کے وجود کو مانا جاتا ہے- یہ قبیلہ قوم آسٹریلیا کے وحشی ہوں- برازیل کے جنگلی انڈین ہوں یا بحیرہ منجمد شمالی کے اسکیمو ہوں سب کے ہاں کسی نہ کسی شکل میں خدا کا تصور موجود ہے- یہودیوں کا یہود- ہندوؤں کا ایشور- عیسائیوں کا مقدس باپ اور مسلمانوں کا اللہ- ہمارا اس وقت یہ موضوع نہیں ہے کہ انسان خدا کی ہستی کے وجود اور اس کے اقرار کے بارے میں زمانہ قدیم سے اب تک کن ارتقائی مراحل سے گذرا ہے- مگر قرآن کا اعلان ہے کہ جب سے انسان کی طرف انبیائے کرام کی وساطت سے وحی آنی شروع ہوئی اس کا بنیادی نقطہ خدائے واحد کا تصور ہوتا تھا- یعنی سب انسانوں کا ایک خدا ہے- جب خدا ایک ہے تو تمام نوع انسانی ایک برادری ہے جس میں رنگ - نسل - وطن کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا (قرآنی حوالہ (10/19 ' 2/213) لہٰذا ہر نبی کو دی گئی وحی خدا کا ایک ہی قسم کا تصور پیش کرتی تھی- اگر کائنات میں دو اللہ ہوتے تو کائنات کا یہ نظام ایک لمحہ بھی نہ چل سکتا- (21/22) سادہ سی مثال سے یوں سمجھیں اگر دو خدا ہوتے تو ایک سورج کو مشرق اور دوسرا مغرب سے طلوع ہونے کا حکم دیتا- اگر کسی ملک کے دو صدر ہوں یا دو بادشاہ ہوں تو آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس ملک اور قوم کا کیا حشر ہو گا- لہٰذا زمین و آسمان کا سربراہ- اللہ ہونا اور ایک ہی کو تسلیم کرنا اور اس کی اطاعت خود انسانوں کے لئے کتنی اہمیت رکھتی ہے- ایک سے زائد کی اطاعت ہی تو شرک کہلاتی ہے-

بہرحال ایک نبی کے چلے جانے کے بعد جب یہ تعلیم خداوندی نظروں سے اوجھل ہو جاتی تو انسان اپنی ذہنی رنگ آمیزی سے اوروں کو معبود بنا لیتا- کہیں بت - دیوتے کہیں سورج چاند ستارے- کہیں بیل سانپ گنگا جمنا کہیں آمون- رے (مصری دیوتا) اس طرح انسانی ذہن کی تراشیدہ توہم پرستی پھر حدود فرمواش ہو جاتی تو ایک اور رسول آ کر ان پردوں کو ہٹا کر خدا کا اصلی تصور بذریعہ وحی از سر نو زندہ کرتا اور بتاتا کہ

انسان پیدا اس لئے کیا گیا کہ کائنات کے پوشیدہ راز کھولے اور تسخیر کائنات کر کے اس نوع انسانی کی بہبود و بہتری کے لئے کام میں لائے (3/190-191) اشیائے کائنات کو انسان کے لئے پیدا کیا گیا۔ لہٰذا انسان ان کے سامنے خود نہ جھک جائے۔ اس طرح خدا کا یہ ازلی تصور آخری بار ہمیشہ کے لئے قرآن کریم میں محفوظ کر دیا۔ اب خدا کا صحیح تصور قرآن کے علاوہ اور کہیں نہیں مل سکتا۔

سوال یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کے لئے یعنی اللہ کا صحیح تصور سمجھنا اور اس پر یقین کیوں ضروری ہے۔ کیوں کہ یہ ایک اہم سوال ہے اس کی تفصیلی وضاحت ضروری ہے۔

ذات خداوندی : جہاں تک اللہ کی ذات کا تعلق ہے ہم اس کی کنہ حقیقت - ماہیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ کیا ہے کہاں سے آیا۔ وہ خود وجود میں کیسے آ گیا (2/255، 17/85، 20/110) یہ انسانی ادراک سے باہر ہے۔ ہمارا محدود ذہن ایک لامحدود کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ زماں Time کی کوئی ابتدا انہیں اور مکاں Space کی کوئی انتہا نہیں یہ کہنا غلط ہو گا کہ زماں فلاں وقت سے شروع ہوا اور فلاں کنارہ کائنات کا آخری سرا ہے۔ نہ زمانے کے آغاز کا علم ہے نہ فضا کا کوئی آخری سرا معلوم ہے۔ انسانی علم اور سائنس ابھی تک اس مسئلہ میں الجھی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے اپنی ذات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا کہ وہ کہاں سے آیا' کیسے آیا' اور کیا ہے ؟ قرآن کریم میں صرف اتنا بتایا گیا کہ اس کی صفات (صفت کی جمع) Attributes کیا ہیں یہ صفات الٰہی کیا ہیں ان کا ذکر ذرا آگے آئے گا۔ انسانی زندگی کا مقصد اعلیٰ خدا کے تصور پر مبنی ہوتا ہے۔ جس قوم میں جس قسم کا خدا ہو گا اسی قسم کی اس فرد کی زندگی اور اس قوم کا معاشرتی نقشہ ہو گا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہماری انفرادی یا اجتماعی زندگی کا خدا کے تصور کے ساتھ بہت گہرا اور بنیادی تعلق ہے۔

انسانی زندگی : یہ دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایک حیوانی زندگی Animal Life یعنی طبعی زندگی جس کا مقصد تحفظ خویش Self Preservation اور تولید نسل Procreation یعنی بچے پیدا کرنا - کھانا پینا - جاگنا سونا - مرنا - موت کے ساتھ اس طبعی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے یعنی انسان اور حیوان میں اس حد تک کوئی فرق نہیں۔ اس کو مادی نظریہ حیات Materialism کہتے ہیں۔ مگر قرآن کے مطابق انسان کے اندر ایک اور چیز بھی ہے جسے ذات نفس Self یا Ego کہتے ہیں۔ اسے روح بھی کہتے ہیں۔ قرآن میں اسے روح کے لفظ سے ہی پکارا جاتا ہے۔ علامہ اقبال اسے خودی سے تعبیر کرتے ہیں۔ انسانی جسم میں حیاتاتی خلیات Cells ہر آن ضائع ہوتے بنتے بدلتے رہتے ہیں مگر روح ان طبعی تغیرات سے متاثر نہیں ہوتی بلکہ اس کی مناسب

تربیت کر دی جائے تو انسان حیات جاوید حاصل کر لیتا ہے۔

انسانی ذات: قرآن انسانی ذات کو روح خداوندی کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے۔

1۔ خدا کی ذات ہے اور انسان کی بھی۔ اللہ کی ذات کے بارے میں کسی قسم کا تصور کرنا عقل سے باہر ہے۔ مگر انسان کی ذات خدا کی عطا کردہ ہے وہ ذات خداوندی کا جز حصہ نہیں۔

2۔ خدا کی ذات چونکہ مکمل تر اور بلند ترین ہے اس لئے اس کی خصوصیات بھی بہت بلند اور مکمل ہیں۔ قرآن ان خصوصیات الٰہی کو اسماء الحسنیٰ کہتا ہے۔ (7/180)

3۔ خدا نے اپنی ان خصوصیات کا ایک شمہ سا انسان کو دیا ہے۔ (32/9) لہٰذا انسان کی صفات خدا کے مقابلے میں بہت محدود ہیں لیکن اس شمہ' ذرا سی توانائی میں وہ تمام صفات موجود ہیں جنہیں اسماء الحسنیٰ کہتے ہیں' سوائے ان صفات کے جو خدا نے اپنے لئے خاص مخصوص کر رکھی ہیں۔ یہ خدا کی لامحدودیت سے متعلق ہیں۔ مثلاً امر۔ بدیع السموات۔ فاطر السموات و الارض۔ الاول و الاخر۔ الباقی وغیرہ (3/127' 11/123' 17/285' 36/82)

4۔ خدا کی ذات میں اس کی صفات مکمل ترین شکل میں جلوہ بار ہوتی ہیں۔

5۔ جب انسانی ذات میں یہ صفات خوابیدہ Dormant ہوتی ہیں۔ یہ ہر انسانی بچہ کو پیدائشی ملتی ہیں۔ یہ غیر نشوونما شکل میں ہوتی ہیں۔ جوں جوں بچہ جوان ہوتا ہے اس کی صلاحیتوں کی نمود اور تربیت ہوتی جاتی ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد ان کی بھرپور نشوونما کرنا ہوتا ہے۔ (92/18-20)

6۔ ایک اونچی نچلی ذات کے لئے ضروری ہے (ذات پات یہاں مراد نہیں) کہ اپنی تکمیل کے لئے کسی بلند و بالا ذات کو بطور معیار۔ نمونہ Standard کے اپنے سامنے رکھے تاکہ معلوم ہو کہ اس کی ذات کی تربیت نشوونما Development درست' سیدھے رخ ہو رہی ہے یا نہیں۔ خدا خود صراط مستقیم پر ہے (11/56)۔ لہٰذا انسان کے لئے ضروری ہے کہ صفات الٰہی کو بطور نمونہ اپنے سامنے رکھ کر صراط مستقیم پر گامزن ہو۔

7۔ انسان کا خدا کی ان صفات کو اپنے سامنے رکھ کر ان کے مطابق ڈھالنے کے ارادے۔ یقین کو ایمان باللہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے واضح ہوا کہ خدا اور انسان کا بنیادی تعلق کیا ہے۔ اور کیوں ہونا چاہئے یہی وجہ ہے کہ مسلمان کی زندگی مادیت کی زندگی سے کتنی اونچی ہوتی ہے۔

ذات کی بنیادی خصوصیات: ذات کی دو خصوصیات ہیں ایک تو آزاد Free ہوتی ہے دوسرے کسی کی

محتاج نہ ہو- خدا کسی کا محتاج نہیں بغیر کسی سہارے کے قائم ہے- اسے قرآن کے الفاظ میں صمد کہتے ہیں اس سے صمدیت بنا(112/2) آزادی- فریڈم جسے حریت کہتے ہیں سے مراد ہے صاحب اختیار و ارادہ ہونا- غنی و حمید کسی کا محکوم نہ ہونا- خدا میں یہ صفت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہیں- لیکن اس کے باوجود خدا نے خود ہی اپنے اختیارات و اقتدار پر پابندی لگا رکھی ہیں مثلاً" اللہ رازق- اللہ نے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے- یہ ایک پابندی اپنے اوپر اس نے عائد کر لی- مگر اس سے اس کی ذات حریت میں کوئی فرق نہیں آتا- یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی کے حکم سے ہر روز صبح سیر کو جاتے ہیں یہ محکومی ہے- لیکن اپ اپنی مرضی سے سیر کرنے کے فوائد کو مد نظر رکھ کر ہر روز ایسا کریں تو ایک اصول پرستی کہلائے گی- محکومی نہیں سمجھی جائے گی- آپ کا یہ فیصلہ آپ کے فیصلہ و ارادہ کے تحت ہو گا-

اللہ تعالیٰ کا اپنے وسیع اختیارات پر خود ہی پابندی عائد کرنا ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ ہے- اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا مطلق العنان بادشاہ - راجہ - ڈکٹیٹر نہیں بلکہ ہر کام قانون اور قاعدہ کے مطابق کرتا ہے- یعنی خدا نے قانون ایسے بنا رکھے ہیں جو ہر عمل کا ایک نتیجہ پیدا کرتے ہیں- خدا کا ہر کام قاعدے اور قانون کے مطابق کرنے کو قانون الٰہی کہا جاتا ہے- یہ بھی اس کی صفت Attribut ہے- اللہ قادر مطلق ہے وہ کسی کی ہدایت کا محتاج نہیں وہ چاہتا تو آگ کو حکم دیتا کہ کبھی پانی کو ابال دینا اور کبھی منجمد کرنا- سورج کو حکم ہوتا کہ آج مشرق سے اور کل صبح مغرب سے طلوع ہونا- اپنے لامحدود اختیارات کو قانون کے ماتحت رکھنا انسانی دنیا کے لئے ایک عظیم سبق ہے-

سنت اللہ: کیوں کہ خدائی صفات غیر متبدل ہیں لہٰذا قانون الٰہی بھی غیر متبدل ہے- اسی لئے قرآن کریم نے کہا **و لن تجد السنتہ اللہ تبدیلا** (17/77، 33/62، 35/43، 48/23)

یعنی تم قانون الٰہی میں کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے- مطلب یہ کہ نظام کائنات بے قاعدگی سے اور بے مقصد نہیں چل رہا بلکہ ایک غیر متبدل اور متعین قانون کے تحت سرگرم عمل ہے اس طریقہ کو اللہ کی سنت کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے مشاہدہ و مطالعہ کائنات پر بڑا زور دیا ہے- Natural Sciences کا مدار اسی پر منحصر ہے- النفس و آفاق میں اس طرح خدا کی عظمت و قدرت کا انسان کو احساس و علم ہو جاتا ہے- خارجی کائنات میں خدا کے یہ قوانین از خود جاری و ساری ہیں- اللہ کے قوانین کے مطابق اشیائے کائنات اپنا فریضہ سرانجام دینے پر مجبور ہیں کوئی اس کی سرتابی نہیں کر سکتی (3/87) یہ اشیاء پہاڑ - سمندر - سورج - چاند - ہوا پانی - دن رات - موسموں کا تغیر و تبدل - نباتات جمادات سب اپنی

غروب ہو۔ روشنی دے اور حرارت پہنچائے کبھی نہیں ہوا کہ وہ کسی دن الٹ سمت سے نکلا یا روشنی کی بجائے تاریکی دے۔ آگ جلتی ہے جلاتی ہے یہ کبھی ٹھنڈک نہیں پہنچائے گی۔ پانی قانون الٰہی کے تحت نشیب کی طرف بہتا ہے۔ سطح ہموار رکھتا ہے۔ 100 سینٹی گریڈ درجہ پر ابلتا ہے اور بھاپ بنتا ہے۔ صفر سینٹی گریڈ پر برف بنے گا۔ پانی کی یہ خصوصیت۔ صفت - عمل ناروے جیسے سرد ملک اور عرب کے تپتے ہوئے ریگستان میں یکساں ہو گی۔ طبعی دنیا میں ان قوانین الٰہی کو قدرتی قوانین (Physical or Natural Laws) کہتے ہیں۔ بہرحال اللہ کی یہ سنت ہے کہ آگ - پانی اپنی خصوصیات کو کبھی نہ بدلیں۔ قرآن کے الفاظ میں کائنات کی پستیوں و بلندیوں میں جو کچھ ہے خدائی قوانین کے سامنے سجدہ ریز ہے (17/44)۔

انسان اور اطاعت الٰہی: انسان کو چوں کہ ذات عطا ہوئی ہے اور اس کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اسے حریت - آزادی ملی ہے وہ اختیار و ارادہ کا مالک ہے اس لئے سورج - چاند - آگ - پانی کی طرح انسان کو قدرتی قوانین کی پابندی پر مجبور پیدا نہیں کیا۔ البتہ ان قوانین کی پابندی نہ کرنے کے مضر اثرات سے وہ محفوظ نہیں رہ سکتا۔ بعض حالتوں میں طبعی قوانین کی پابندی نہ کرنے کی سزا بہت جلد مل جاتی ہے مثلاً" سانس لینے کے لئے ہوا ضروری ہے اگر ہوا حلق سے نیچے نہ اترے تو فوراً موت واقع ہو گی وہ فاقہ اپنی مرضی سے کر سکتا ہے مگر بھوک و پیاس سے صحت بتدریج تباہ و برباد اور آخر ہلاکت سے بچاؤ نہیں۔ موت جلد دبوچ لے گی۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک اس کا جسم اور دوسری اس کی ذات۔

انسانی جسم کی پرورش - نشوونما اسی طرح ہوتی ہے جیسی نباتات حیوانات کی یعنی کھانے پینے سے جسم زندہ سلامت رہتا ہے۔ ہم سانس لینے سے زندہ رہتے ہیں۔ اشیائے خوردونوش کسی کو دینے سے اس شخص کو نشوونما تو ہو گی مگر آپ کے جسم کی نہیں مگر انسان کی ذات کی تربیت بالیدگی دینے سے ہوتی ہے جائز ضروریات زندگی سے زائد جتنا زیادہ سے زیادہ فلاح و بہبود کے لئے دوسروں کو دیں گے اتنی ہی آپ کی ذات - خودی - کریکٹر کی پرورش ہو گی اس میں ارتقاء ہو گا۔ جو قوم ان جیسے صالح افراد پر مشتمل ہو گی وہ زندہ اور تمام دنیا پر غالب ہو گی یہ ہے اللہ کا قانون اور اس کی سنت - سنت اللہ سے انکار کا انسان کو پورا حق و اختیار ہے مگر اس انکار سے پیدا ہونے والے نتائج پر اسے اختیار نہیں۔

اس لئے کہ **فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر** (18/29 76/3) "جس کا جی چاہے ان پر ایمان لے آئے جس کا جی چاہے ان سے انکار کر دے" اس سے دو باتیں ظاہر ہوئیں

1۔ پہلی یہ کہ انسان قانون خداوندی کی پابندی پر مجبور نہیں کیا گیا۔ البتہ انسانی ذات از خود اپنے

اوپر پابندی عائد کر لے تو قرآن اسے اطاعت سے تعبیر کرتا ہے یعنی کسی کام کو رضامندی دل سے پورا کرنا۔ سرانجام دینا جو کام مجبوراً کیا جائے وہ ایمان نہیں کہلاتا۔ اس سے انسانی ذات کی تربیت تو ایک طرف وہ کچل کر رہ جاتی ہے۔ صفات الٰہی کو سامنے رکھ کر قانون الٰہی کی اطاعت سے انسان کی تربیت و نشوونما ہوتی ہے۔ اس طرح انسان دیکھ لیتا ہے کہ خدا کتنا عظیم ہے اور وہ اس کے مقابلے میں کتنا حقیر ہے مگر باقی کائنات کے مقابلے میں وہ کتنا اعلیٰ و بلند ہے۔

2۔ دوسرے کائنات کی کوئی چیز انسان کی رفیق نہیں بن سکتی بلکہ ہر شے اس کی محکوم ہے اس لئے اس کا فریضہ ہے کہ اشیائے کائنات کی تسخیر کرے' غور و فکر کرے۔ تحقیق - ریسرچ سے انہیں اپنے سامنے سرجھکانے پر مجبور کرے اور ان سے استفادہ حاصل کرے۔ فرشتے اور انسان میں یہی فرق ہے۔ فرشتے بے اختیار اور انسان بااختیار - غفلت برتنے پر خدا کی کھلی وارننگ ہے کہ جو قوم قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتی وہ ذلت و خواری میں رہتی ہے۔ اصول یہ ہے **من کان ھذا اعمی فھو فی** (17|72) "جو کوئی اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہو گا اور راستہ سے بھٹکا ہوا۔"

مغربی اقوام غور و فکر اور تحقیق سے کائنات کو مسخر کر رہی ہیں اور ساری دنیا پر حاوی ہیں۔ مسلمان سنت اللہ سی غفلت برتنے سے پست ترین اور غیر مسلموں کے دست نگر۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں۔

وہ کل کے غم و عیش پر کچھ حق نہیں رکھتا جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا ! جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

لہٰذا انسان کا رفیق خدا ہی ہو سکتا ہے برابر کا ساتھی نہیں بلکہ یہ رفیق ادنیٰ اور خدا رفیق اعلیٰ۔

خدا کی رفاقت : خارجی دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ قدرتی قوانین کے نتائج محسوس شکل میں سامنے آ جاتے ہیں۔ بعض جلد بعض دیر سے۔ مثلاً" کیھوں کے دانے میں خصوصیت ہے کہ خدا کے قانون کے مطابق اس کی نشوونما کی جائے۔ موسم کے مطابق ہل چلانا - بیج ڈالنا - مناسب وقت پر مناسب آبپاشی کرنا تو چند ماہ بعد اس میں گوشے لگیں گے یہ نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے چند ماہ میں آ گیا مگر خدا کی بعض تخلیقی سکیمیں ایسی ہیں جن کے نتائج سینکڑوں' ہزاروں' لاکھوں سال بعد ظہور میں آتے ہیں مثلاً" زندگی Life کی ابتدا کب ہوئی' موجودہ شکل میں آنے کے لئے کائناتی اشیاء کو ارتقائی مراحل طے کرنے میں خدا معلوم کتنے ارب سال لگے ہوں گے آپ بغور دیکھیں تو ان قوانین الٰہی کے مشاہدہ کے بعد اگر انسان اس میں اپنی کوشش شامل کر

لے تو اس کی مدت میں کمی آ جاتی ہے۔ آج ترقی یافتہ ممالک میں نرسریوں میں بے موسم سبزیاں اگا کر سارا سال بازار میں دستیاب ہیں۔ مرغیوں کے انڈے ایک دو ماہ میں صحت مند مرغیوں مین تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جہاں گلاب کے پودے کا عام حالات میں پھول چار ماہ بعد ایک ہی رنگ میں کھلتا ہے وہاں خدا کے تخلیقی پروگرام میں رفیق بن کر انسان ایک ہی پودے سے دو دو تین رنگ کے پھول لا رہا ہے۔

انسانی دنیا: جس طرح خارجی دنیا میں خدا کا غیر متبدل طبعی قانون نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ مثلاً" آگ سے انگلی جلتی ہے وہی صورت انسانی دنیا کی ہے۔ جیسے طبعی دنیا کے لئے غیر متبدل قدرتی قوانین (Physical Laws) ہیں اسی طرح چند مستقل اقدار۔ اصول (کلمات اللہ) انسانی دنیا کے لئے بذریعہ وحی انبیائے کرام کی وساطت سے انسان کو دیئے گئے جن کی صداقت میں کبھی شائبہ تک نہیں ہو گا۔ خدا کا فرمان ہے کہ حق بالآخر باطل کا سر کچل دے گا۔ اس طرح باطل (اسے غیر خدائی نظام - سیکولرازم - اشتراکی نظام - سرمایہ داری نظام - جو کچھ کہہ لیں) تباہ و برباد ہو جاتا ہے یہ فطرت کا قانون ہے یہ قرآن کا ایک ابدی اصول ہے۔

خدا کا ایک ایک دن ہماری پچاس پچاس ہزار سالوں کے برابر ہوتا ہے (70/4 '32/5 '22/46) ارتقائی منازل (Evolutionary Stages) تو انسان طے کرتا رہا ہے۔ کر رہا ہے اور کرتا جائے گا۔ مگر اللہ کا کہنا ہے کہ جہاں تم نے عقلی تجربات سے سینکڑوں سال بعد حق کو پانا ہے۔ اگر تم میری ہدایت پر چلو تو چند ہی جہتوں میں میری اور تمہاری رفاقت سے حق غالب آ جائے گا۔ وحی (جواب اس قرآن میں تاقیامت محفوظ ہے) کے تابع یہ غلبہ انہی انسانوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے جو قانون الٰہی اور صفات اللہ پر یقین رکھیں اور اللہ کے بتائے ہوئے حقائق جو فی الحال تمہاری آنکھوں کے سامنے نہیں آئے ان پر ایمان رکھتے ہوں (ایمان بالغیب) اور اپنی ذات کی نشوونما تزکیہ میں مصروف عمل رہتے ہیں۔ اس کو ایمان اور عمل صالحہ کہتے ہیں اور ایسے افراد کو جماعت مومنین کہتے ہیں۔

اسلامی سوسائٹی: صرف ایک حاکم واحد کے قوانین پر کاربند ہونے والی اس جماعت مومنین کی اس کوشش عمل سے معاشرہ کی تشکیل اور نشوونما ہوتی ہے۔ یاد رہے انسانی ذات کی نشوونما جنگلوں - بیابانوں - خلوت گاہوں' حجروں میں سلوک کی منازل طے کرنے' چلہ کیشی' مراقبوں اور گوشہ نشینی سے نہیں ہوتی یہ صرف اسلامی سوسائٹی میں قرآنی نظام کے اندر رہ کر سرگرمی عمل سے ہی ہو سکتی ہے۔

اس لئے خدا نے کہا ہے **فا دخلی فی عبادی و دخلی جنتی** (89/29-30) "اگر جنت میں

داخل ہونا ہے تو میرے بندے بن جاؤ یعنی میرے بندوں کی جماعت میں شامل ہو جاؤ۔" (اہل تصوف اس سے غلط استدلال لاتے ہیں کہ پیر کے مرید بنو۔ جنت کا سرٹیفکیٹ حضرت صاحب وسیلہ بن کر اللہ سے لے دیں گے) شاعر مشرق علامہ اقبال کے الفاظ میں۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس سے واضح ہوا کہ اللہ واحد پر ایمان اور اپنی ذات کی نشوونما کے لئے اللہ کی صفات "اسماء الحسنیٰ" کو بطور معیار (Standard) اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنا کیوں ضروری ہے لفظ حسنیٰ قابل غور ہے۔ حسن توازن اور درست تناسب Proportion کو کہتے ہیں۔ اگر کسی شے میں تناسب نہ رہے تو اس کا حسن باقی نہیں رہتا۔ جس زندگی میں حسن نہیں سمجھ لیں وہ قرآنی قالب میں ڈھلی ہوئی نہیں ہے۔ زندگی کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنے اندر اچھے کاموں سے کتنا حسن پیدا کرتے ہو اور کائنات میں کس قدر حسن کا اضافہ کرتے ہو۔ اس کا طریقہ وہی ہے کہ کائنات میں کس قدر حسن کا اضافہ کرتے ہو۔ اس کا طریقہ وہی ہے کہ کائنات کے خزانوں کو معلوم کرو اور اپنی محنت و کاوش کے ماحصل کو عالم انسانی کے لئے کھلا رکھو تاکہ معاشرہ میں حسن پیدا ہو۔ (2/195 ،2/83)

حسن کی تشریح یوں سمجھو کہ حکیم و ڈاکٹر کا نسخہ شفا نہیں دے گا اگر اس میں ادویات کا تناسب نہ ہو۔

موقعہ محل: پانی انسانی جسم کے لئے مد حیات ہے۔ اس کی جسم میں کمی ہو جائے تو جسم میں نمی ختم ہونے سے موت واقع ہو گی۔

اب انسانی دنیا کی طرف آیئے۔ درگذر کرنا۔ معاف کر دینا ایک عمدہ صفت ہے مگر حد سے بڑھ جائے تو بزدلی تصور کی جاتی ہے۔ دولت خرچ کرنا زندگی کے لئے ضروری ہے حد سے کم ہو جائے تو کنجوسی اگر بڑھ جائے تو اسراف لہٰذا صفات میں اعتدال یعنی حسن ضروری ہے۔ خدا یہ بھی بتاتا ہے کہ کس صفت کا کس موقعہ پر ظہور ہو اور اس پر عمل کس حد تک ہونا چاہئے۔ اللہ کے قانون کے مطابق بیماری صحت ملتی ہے زندگی اور موت بھی وہ عزیز و حکیم بھی ہے۔ الرحمن الرحیم بھی۔ غفور اور جبار و قہار بھی۔ زمین مردہ کو حیات نو بھی بخشتا ہے۔ گو اس میں تضاد نظر آتا ہے مگر حکیم کے نسخہ اور اوپر پانی والی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے۔

1_ اگر آپ حکیم کی ہدایات کے مطابق سنکھیا بطور دوائی مناسب مقدار میں استعمال کریں تو مفید ہے۔

2_ تناسب سے بڑھ جائے تو مضر اثرات پیدا ہوں گے۔

3_ اگر مقدار حد سے بڑھ جائے تو جان لیوا ثابت ہو گا۔

اس طرح جب معاشرہ میں تعمیری کاموں (حسنات کی بجائے تخریبی کاموں' (سیات) کی بھرمار ہو جائے تو معاشرہ (قوم) بتدریج زوال پذیر ہو کر تباہ ہو جاتی ہے۔ قرآن کے الفاظ میں اسے شدید العذاب کہتے ہیں جس سے کوئی بچاؤ نہیں۔ مگر اوپر والی شق نمبر2 کے مضر اثرات کو دور کرنے کے لئے کوئی تدبیر بروقت کر لی جائے تو اسے قرآن کے الفاظ میں توبہ کہتے ہیں یعنی احسن اقدام۔ اچھے اعمال (حسنات) برے کاموں (سیات) کے مضر اثرات کو دور یا کم کر دیتے ہیں۔

طریقہ کار: جب اسی اصول کو انسانی دنیا میں اپنائیں گے تو اسلامی حکومت کا فریضہ ہو گا کہ خدائی احکام یعنی قرآنی اصولوں کو احسن طریقہ سے نافذ کرے جس سے مملکت میں بسنے والے مسلمانوں میں بتدریج یہ صفات پیدا ہو جاتی ہیں اور اس طرح ہر طرف حسن ہی حسن نظر آئے۔ افراد معاشرہ کی ذہنی۔ جسمانی تربیت صفات الٰہی کی روشنی میں ہو گی تاکہ اس تربیت یافتہ مسلم قوم کے ہاتھوں اسلامی حکومت صحیح معنوں میں قائم ہو اور دنیا میں صرف اللہ کا حکم چلے اور یوں کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر اپنی مرضی نہ چلا سکے۔ ایک خدا کی اطاعت قرآن کریم کے مطابق۔ اس کا نام ہے توحید اور یہ ہے قرآن کی رو سے خدا پر ایمان سے مقصود۔ لہٰذا قرآن نے پہلے پارہ کی ابتدائی آیات میں پہلے اللہ پر ایمان لانے کو مقدم و لازم قرار دیا ہے۔ جب معاشرہ ذہنی و قلبی طور پر آمنا و صدقنا کہہ دے تو پھر اس نے کہا کہ نظام حکومت کی ابتدا کن اصولوں سے ہو اس کی ابتدا اس نے اپنی صفت رب سے کی ہے۔

آپ قرآن مجید کو کھولیں آغاز ہوتا ہے۔ **الحمد لله رب العالمين** اور اللہ اسی صفت رب سے ہی قرآن کریم کو آخری پارہ کی آخری سورۃ **قل اعوذ برب الناس** سے ختم کرتا ہے۔ انسانوں کی پرورش تعلیم و تربیت نشوونما ربوبیت عامہ اللہ اسلامی حکومت کے ہاتھوں پوری کراتا ہے۔ اسلام کا معاشی نظام کس طرح اللہ کی صفت رب العالمینی پر دار و مدار رکھتا ہے یہ ایک الگ موضوع ہے جس پر پھر کبھی عرض کریں گے۔ سب سے پہلے ایک خدا (توحید) ایک ضابطہ قانون (قرآن) اور ایک عالمگیر انسانیت (One Mankind) پر ایمان لاینفک ہے۔ (ادارہ اس "پھر کبھی" کے لئے چشم براہ ہے ایڈیٹر)

علامہ پرویزؒ

سیرت النبیؐ

(قسط - 3)

عہد جاہلیت کی ہنگامہ خیزیاں : قلب وادی فاران یعنی ام القریٰ مکہ' اپنی تمام نگاہ فریب جاذبیتوں کے ساتھ ' ہر عاکف و باد کے لئے مرکز توجہ بنا ہوا ہے۔ چونکہ ریگ حجاز کے ہر ذرہ کی عقیدت حریم کعبہ کے ساتھ وابستہ ہے' اس لئے طفلک و برناو پیر' نزد و دور سے کارواں درکارواں اپنی پیشانیوں میں تڑپنے والے سجدوں کے نذرانے لئے' رواں دواں اور کشاں کشاں اس مرجع انام کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ جبین شوق سجدوں سے معمور ہے لیکن کچھ معلوم نہیں کہ مسجود کیا ہے؟ قلب نیاز' جذبہ ہائے عقیدت سے لبریز ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ معبود کون ہے؟ زندگی کی تگ و تاز' بہر نوع ہنگامہ خیز ہے لیکن کسی کو علم نہیں کہ اس تگ و تاز سے مقصود کیا ہے؟ کاروان حیات تیز گام ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ اس کی منزل کونسی ہے؟ لیکن اس نہ جاننے کے باوجود ایک ہنگامہ ہے کہ ہر وقت برپا ہے جس میں ہر شخص اپنے آپ کو جذب کئے ہوئے ہے۔ اس کیف و مستی کے عالم میں کوئی تالیاں پیٹتا ہے' کوئی سیٹیاں بجاتا ہے۔ کوئی کعبہ کے گرد گھوم گھوم کر سفر ختم ہونے کے باوجود ذوق سفر کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ کوئی بتوں کے آستانوں پر جانور ذبح کر کے اس کا گرم گرم لہو پی رہا ہے۔ کوئی زمزم کے کنارے بیٹھا جام اور سبو کے امتیازات مٹا رہا ہے۔ کاہنوں کے گرد عورتوں کا ہجوم ہے جو اپنے صبر گریزپا اور رنج گراں نشیں کے جگر سوز افسانوں کا مستقبل معلوم کرنا چاہتی ہیں۔ ادھر عکاظ کے بازار میں شعرائے جادو بیان اپنی سحر آفرینیوں سے ہر سننے والے کے دل کو مٹھی میں لئے ہوئے ہیں۔ کبھی کسی کے خاندانی مفاخر کے تذکرہ سے اس کے طرہ امتیاز میں بالیدگی پیدا کرتے ہیں اور گاہ کسی کے عزیز کے قتل کی یاد تازہ کر کے اس کی رگوں میں آتش انتقام کے شعلے اس طرح بھڑکاتے ہیں کہ بزم شعر خوانی آن کی آن میں رزمگاہ بن جاتی ہے۔ لیکن محفل عیش و طرب ہے یا میدان جنگ و جدل' ہر شخص پورے جذب و انہماک سے اس میں حصہ لیتا ہے اور اس ہمہمہ اور طنطنہ میں' دنیا و مافیہا سے بے خبر' یوں مستغرق ہو جاتا ہے کہ کوئی کشش اسے اس ہنگامے سے باہر نہیں لے جا سکتی۔ چھوٹا بڑا' امیر غریب'

مرد عورت، سب ان ہنگاموں میں اس طرح شریک ہوتے ہیں گویا یہ چیزیں ان کی زندگی کا جزو بن چکی ہیں۔

ایک استثناء !: لیکن مکہ کی ان پرہجوم گلیوں میں ایک ایسا شخص بھی دکھائی دیتا ہے جو ان میں سے ہوتے ہوئے بھی ان کا معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی طرز معاشرت وضع قطع، تراش خراش سب ان ہی جیسی ہے۔ وہ انہی بازاروں میں پھرتا ہے۔ انہی لوگوں سے کاروبار کرتا ہے۔ ان کی شادی اور غم میں شریک ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو انہی جیسا انسان سمجھتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی زندگی میں کوئی خلا محسوس کرتا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ وہ خلا کیا ہے اور کس طرح پر ہو سکتا ہے۔ وہ مشاغل و مشارب جو اس کی قوم کا جزو زندگی بن چکے ہیں۔ اس کے لئے اپنے اندر کوئی جاذبیت نہیں رکھتے۔ وہ بھی اپنی جبین نیاز میں ذوق عبودیت کے سجود رقصاں لے کر حریم کعبہ تک جاتا ہے لیکن وہ ان تابندہ گوہروں کو اسی طرح واپس لے آتا ہے یہاں سے وہاں انسانوں کی بنائی ہوئی چوکھٹیں اس متاع گراں بہا کے شایان شان دکھائی نہیں دیتیں وہ جب لوگوں کی گردنوں کو ان کے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی مٹی اور پتھر کی مورتیوں کے سامنے جھکا ہوا دیکھتا ہے تو محو حیرت رہ جاتا ہے کہ ... یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ وہ عکاظ کے بازار میں جب سرداران قریش کو اپنی عالی نبی پر فخر کرتے دیکھتا ہے تو، ہرچند وہ خود قریش کے ممتاز ترین گھرانے کا فرد ہے لیکن اس کا دل گواہی نہیں دیتا کہ جس چیز میں انسان کے جوہر ذاتی کا کوئی دخل نہ ہو وہ باعث فخر و تکبر ہو سکتی ہے۔ وہ بزم مے پرستی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا کہ اس سے اس کا قلب سلیم اباء کرتا ہے۔ وہ قمار خانوں کی طرف قدم تک نہیں اٹھاتا کہ وہاں اسے مہذب انسانوں کے بھیس میں رہزن نظر آتے ہیں۔

تلاش حقیقت : وہ جب ان محافل و مجالس میں اپنے لئے کوئی سامان تسکین نہیں پاتا تو عیسائی رہبان اور یہودی احبار کی طرف رجوع کرتا ہے کہ اس نے سن رکھا ہے کہ وہ زندگی کے حقائق کا علم رکھنے کے مدعی ہیں۔ وہ خود لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اس لئے ان علماء و مشائخ سے پوچھتا ہے کہ ان کے پاس کونسی روشنی ہے جسے وہ آسمانی کہہ کر پکارتے ہیں۔ لیکن اسے ان مزعومہ آسمانی شمعوں پر انسانی تصورات کے ایسے ایسے رنگین فانوس نظر آتے ہیں جنہوں نے شمع کی اصلی روشنی کو بالکل ڈھانپ رکھا ہے۔ وہ یہاں سے بھی ٹھنڈی سانس بھر کر اٹھ آتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ انہی بستیوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس کی طرح ان معبودان باطل سے متنفر ہیں۔ وہ ان کی طرف رخ کرتا ہے کہ شاید وہیں وہ سکون مل جائے جس کی اسے تلاش ہے۔ لیکن اسے ان کا ذوق بھی تشنہ اور تڑپ خام نظر آتی ہے۔ وہ وہاں سے بھی مایوس واپس آ جاتا ہے۔ غرضیکہ وہ انسانوں کے اس ہجوم میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے۔ اسے ایسا کوئی رفیق نہیں ملتا جس سے

اپنے دل کی تپش و خلش اور سوز و گداز کا حال کہہ سکے۔ وہ اس تنہائی سے اکتا جاتا ہے تو آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر پکارا اٹھتا ہے کہ ؎

دریں میخانہ اے ساقی ندارم محرمے دیگر ❁ کہ من شاید نخستیں آدمم از عالمے دیگر

تفکر و تدبر: وہ انسانوں کی بستیوں میں اپنے دل کی پکار کا کوئی جواب نہیں پاتا تو باہر فطرت کی کھلی فضاؤں میں چلا جاتا ہے۔ وہاں کبھی صحراؤں کی ناپیدا کنار وسعتوں پر غور کرتا ہے اور کبھی آسمانوں کی حدود فراموش پہنائیوں پر۔ گاہ اسے ستاروں کی تابندگی دعوت غور و فکر دیتی ہے اور گاہ ماہ عالمتاب کی درخشندگی اس کے لئے سامان تدبر پیدا کرتی ہے۔ وہ مظاہر فطرت کی گوناگوں نیرنگیوں پر غور کرتا' اور بار بار اپنے دل سے سوال کرتا ہے کہ یہ عظیم الشان سلسلہ کائنات کس طرح وجود میں آگیا؟ کون اسے بایں حسن و خوبی چلا رہا ہے؟ اس کا بالآخر مقصد کیا ہے؟ یہ سوالات رہ رہ کر اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں لیکن اسے ان کا جواب کہیں سے نہیں ملتا۔ جب جواب نہیں ملتا تو اس سے اس کے دل کا اضطراب اور بڑھ جاتا ہے اور جب اضطراب بڑھتا ہے تو اس کے ساتھ ہی تشنگی ذوق کی شدت تیز سے تیز ہو جاتی ہے۔ لیکن اسے اپنے آپ پر ضبط اتنا ہے کہ وہ اس کاوش و اضطراب کو اپنے معمولات زندگی پر قطعاً اثر انداز نہیں ہونے دیتا۔ وہ اپنے کاروباری معاملات - بال بچوں کی نگہ پرداخت' رفقاء و احباب سے میل ملاقات' معاشرتی زندگی کے مقتضیات میں کوئی فرق نہیں آنے دیتا اور ایسی زندگی بسر کئے جاتا ہے کہ اس کے ابنائے جنس اپنے میں اور اس میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے' بجز اس کے کہ وہ اس کے کیریکٹر کی بلندی کے مداح ہیں اور اس کی صداقت و دیانت کے معترف۔ چھوٹا بڑا سب اس کی عزت کرتے ہیں اور قبیلہ اور خاندان کو اس کی شرافت اور نجابت پر ناز ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو ان سے کچھ مختلف محسوس کرتا ہے۔ اس لئے کہ جن گوشوں کو انہوں نے اپنے لئے وجہ اطمینان اور موجب تسکین قرار دے رکھا ہے وہ ان میں سے کسی میں بھی اپنے دل کے اضطراب کا مداوا نہیں پاتا۔ اور وہ اپنے آپ کو ہر وقت کسی ایسی چیز کی تلاش میں مضطرب و بے قرار پاتا ہے جس کا اسے خود بھی علم نہیں کہ وہ کیا ہے۔؟

قرآن کریم نے حضورؐ کی تلاش حقیقت میں سرگردانی کی اس کیفیت کو دو لفظوں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے جب فرمایا کہ

و وجدک ضالا فھدی ○ (93/)

ہم نے تجھے تلاش حقیقت میں سرگرداں پایا تو راستہ دکھا دیا۔

کارلائل نے اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

" شروع ہی سے چلتے پھرتے آپ کے دل میں ہزاروں سوالات پیدا ہوتے تھے۔

میں کیا ہوں؟

کائنات کا لامتناہی سلسلہ کیا ہے؟

زندگی کیا ہے؟

موت کیا ہے؟

مجھے کس چیز پر ایمان رکھنا چاہئے؟

مجھے کیا کرنا چاہئے؟

حرا اور سینا کی پہاڑیاں - ریت کے ٹیلوں کا سکوت - ان سوالات کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ چرخ اور اس کے درخشندہ ستارے بھی کچھ جواب نہیں دیتے تھے۔ ان سوالات کا جواب کہیں سے نہیں ملتا تھا۔ ان سوالات کا جواب انسان کی اپنی روح اور خدا کی اس وحی سے ملنا تھا جو اس روح کو اپنا مسکن بنا لے۔

(HEROES AND HERO - WORSHIP; P.49)

ہاں! ان سوالات کا جواب کہیں سے نہیں مل سکتا تھا۔ ان کا جواب صرف وحی کی زبان سے مل سکتا تھا۔ حقیقت کا انکشاف ناممکن ہے جب تک حقیقت خود اپنے آپ کو کسی پر منکشف نہ کر دے۔ مسائل حیات نہیں سمجھے جا سکتے جب تک "حیات" خود ہی "شارح اسرار حیات" نہ ہو جائے۔ حقیقت کے مشاہدہ کے لئے انسان کی آنکھ وحی کی روشنی کی محتاج ہے۔ اور نبی قبل از نبوت وحی سے واقف نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت، قبل از رسالت، حضورؐ کی تھی۔

و کذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتب و لا الایمان و لکن جعلنہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا و انک لتھدی الی صراط مستقیم ○ (42/52)

اور اے محمدؐ! اسی طرح ہم نے (اپنے قانون مشیت کے مطابق) تیری طرف اپنے حکم سے ایک کتاب بطور وحی نازل کی (جس نے تجھ پر حقیقت کو منکشف کر دیا۔ ورنہ) اس سے پہلے تجھے قطعاً معلوم نہ تھا کہ کتاب (الٰہی) کیا ہوتی ہے اور ایمان کس چیز کا نام ہے۔ لیکن

(وحی کے ذریعے) ہم نے اس کتاب کو تیرے لئے ایک (عظیم القدر) روشنی بنا دیا جس کے ذریعے ہم' اپنے قانون مشیت کے مطابق اپنے بندوں میں سے کسی ایک (یعنی نبی) کو حقیقت کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ اور (اے پیغمبر! یہ ہماری اس عطا فرمودہ روشنی ہی کا صدقہ ہے کہ) تو (گم کردہ راہ لوگوں کو) سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔

نہ حضورؐ جانتے تھے کہ کتاب کسے کہتے ہیں اور وحی کیا ہوتی تھی اور نہ ہی اس کی توقع رکھتے تھے کہ آپ اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز کئے جائیں گے۔

و ما کنت ترجوا ان یلقی الیک الکتب الا رحمته من ربک فلا تکونن ظهیرا للکفرین ○ (28/86)

اور اے پیغمبر! تجھے کسی طرح یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ (ہماری طرف سے) تجھ پر کوئی کتاب نازل کی جائے گی۔ یہ تو محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے (کہ اس نے تجھے اس عظیم منصب کے لئے منتخب فرما لیا۔ سو جو لوگ اس صداقت سے انکار کریں اور اس سے سرکشی برتیں' تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہو گا کہ کسی طرح ان کی پشت پناہ بن جائے۔

اس کتاب کے ذریعہ حضورؐ کو ان حقائق کا علم دیا جن کے متعلق اس سے پہلے آپؐ کچھ نہیں جانتے تھے۔

و علمک ما لم تکن تعلم ..... (4/113)

اور(اے پیغمبر) خدا نے تمہیں وہ باتیں سکھلا دیں جو تجھے پہلے معلوم نہ تھیں۔

پہلی وحی: حضورؐ کی عمر کا چالیسواں سال تھا' رمضان کا مہینہ **شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن** (2/185)_ اور رات کا وقت_ رات اس لئے کہ ساری دنیا جہالت کی تاریکیوں میں لپٹی ہوئی تھی اور طلوع سحر کی منتظر۔ یہ رات تاریخ عالم میں عدیم النظیر اور فقید المثال رات تھی۔ یہ حد فاصل تھی دنیائے قدیم اور جہان نو میں۔ اس رات' ضمیر کائنات نے ایک نئی کروٹ لی جس سے زندگی' جو اپنے مقام سے بے خبر چلی آ رہی تھی۔ خود نگر و خود شناس ہو گئی۔ تمام نظامہائے کہن جو غیر فطری بنیادوں پر استوار تھے' باطل قرار پا گئے اور دنیا کو ایک نیا آئین عطا ہوا جس میں تکمیل شرف انسانیت کی تمام راہیں واضح طور پر سامنے آ گئیں۔ انسان کو حق و باطل کی تمیز کے صحیح پیمانے عطا ہوئے۔ اس لئے اس رات کو **لیلته القدر** (1/

97) کہہ کر پکارا گیا __ یعنی جدید پیمانوں کی رات __ اسی کو دوسری جگہ **لیلتہ مبارکتہ** کہا گیا ہے جس میں حق و باطل نکھر کر الگ الگ ہو گئے۔ (44/3)_ دنیا نے اس رات کی عظمت کو نہیں پہچانا' اسی لئے وہ ابھی تک تاریکیوں کے جہنم میں ڈوبی ہوئی ہے اور ہزار ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود زندگی کے صحیح راستہ پر گامزن نہیں ہو سکی۔ جس دن یہ حقیقت اس کی سمجھ میں آ گئی کہ کائنات کی شب و بجور کی تاریکیاں اس مہر عالمتاب کی صنوفشانیوں سے دور ہو سکتی ہیں جو اس لیلتہ القدر کی صبح کو نمودار ہوا تھا' منزل انسانیت کی سیدھی راہ (صراط مستقیم) اس کے سامنے آ جائے گی۔ راستہ اب بھی موجود ہے اور وہ قہر عالمتاب اپنی پوری تابندگی سے نور افشاں بھی۔ صرف اتنی کمی ہے کہ انسان نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں جس سے وہ اس روشنی سے محروم ہے۔ جس دن اس نے اپنی آنکھیں کھول لیں۔ سیدھا راستہ اس کے سامنے آ جائے گا۔

نوع انسانی کے لئے جشن مسرت : یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے واقعہ عظیم کو نوع انسانی کے لئے جشن مسرت قرار دیا ہے کہ اس سے دنیا کو اس کی چھنی ہوئی بنیائی واپس ملی تھی۔ اور کسی اندھے کی زندگی میں اس واقعہ سے زیادہ قابل یادگار اور کونسا واقعہ ہو گا جس میں اس کی بصیرت رفتہ کی بازیابی ہوئی ہو۔

یا یھا الناس قد جاء تکم موعظتہ من ربکم و شفاء لما فی الصدور و ھدی و رحمتہ للمومنین ○ قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون ○ (10/58-57)

اے لوگو ! تمہارے پاس پروردگار کی جانب سے ایک ایسی چیز آ گئی ہے' جو موعظت ہے' دل کی تمام بیماریوں کے لئے شفا ہے' اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو (اس پر) یقین رکھتے ہیں (اے پیغمبر !) تم کہو' یہ اللہ کا فضل ہے' اور اس کی رحمت۔ پس چاہئے کہ اس پر خوشیاں منائیں۔ اور یہ ان ساری چیزوں سے بہتر ہے جسے وہ دنیا کی زندگی میں جمع کرتے رہتے ہیں !

یہ تھی وہ **لیلتہ القدر** جس میں حضورؐ کو منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا۔

شاہد عادل (1) بیوی : وحی ملنے کے بعد' آپؐ نے سب سے پہلے' اس کا ذکر اپنی بیوی (حضرت خدیجہ الکبریٰؓ) سے کیا۔ یہاں ہمارے سامنے ایک اور عظیم حقیقت آتی ہے۔ بیوی' مرد کی زندگی کی شکن در شکن تہوں سے واقف ہوتی ہے۔ اس کا کوئی راز اس سے پوشیدہ نہیں ہوتا۔ وہ ساری دنیا کے سامنے نقاب

پوش رہ سکتا ہے۔ لیکن بیوی کے سامنے اس کی زندگی بے نقاب ہوتی ہے۔ انسان ساری زندگی دنیا کی نگاہوں میں ہیرو بن سکتا ہے' زندگی کے بہت سے گوشے دنیا سے چھپائے جا سکتے ہیں لیکن اصلی ہیرو وہ ہے جو اپنی بیوی کی نگاہ میں ہیرو ہو بشرطیکہ اس کی نگاہیں غلط چشموں سے رنگین نہ ہو چکی ہوں۔ آپؐ کی رفیقہ حیات' حضرت خدیجہؓ کا قلب سلیم تھا۔ چنانچہ جب انہوں نے اس پیغام کو سنا' تو حضورؐ کی صداقت پر فوراً ایمان لے آئیں۔

(2) **نوکر اور بچے :** بیوی کے بعد ان کی بے نقاب زندگی کا مشاہدہ کرنے والے گھر کے نوکر اور بچے ہوتے ہیں۔ حضرت زیدؓ آپ کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت علیؓ ابن ابی طالب حضورؐ کے آغوش تربیت کے پرورش یافتہ۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد انہوں نے سنا تو فوراً نگہ عقیدت جھکا کر ایمان لے آئے۔

(3) **دوست :** گھر کے باہر انسان کے کیریکٹر کا صحیح پرکھنے والا اس کا قلبی دوست ہوتا ہے جس کے سامنے اس کی زندگی کا ہر بے تکلف پہلو ہوتا ہے۔ حضورؐ کے یہ دوست حضرت ابوبکرؓ تھے ___ دولتمند' فیاض' نہایت صائب الرائے اور قریش میں معزز اور تمام شہر میں بااثر' صدق و دیانت میں مشہور' اپنی پارسائی کی وجہ سے ممتاز ___ جب دوست کے اس نئے دعوی کو سنا تو بلا ادنی تامل اس کی صداقت کا اعلان کر دیا۔

کس قدر ثریا بخت اور فرخندہ اختر تھے یہ حضرات جنہیں قدوسیوں کی اس جماعت میں شرکت کی اولیت بلکہ یوں کہئے کہ اس جماعت کے مبنی و اساس ہونے کا شرف حاصل ہوا جسے دنیا انسانیت میں انقلاب عظیم پیدا کرنا تھا۔ **رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ و ذلک الفوز المبین** اس کے بعد کچھ اور خوش نصیب حضرات اپنے جذبہ شوق سے باب رسالت تک کشاں کشاں آئے اور متاع ایمان و آگہی سے بہرہ یاب ہوئے۔ ان میں سے اکثر وہ تھے جو تلاش حقیقت میں سرگرداں رہتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے یہ نئی آواز سنی تو اسے پہچان لیا۔ اور حق و صداقت کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھ آئے۔ حضرت عثمانؓ - عبدالرحمن بن عوفؓ - سعد بن وقاصؓ - طلحہؓ - ارقمؓ - سعید بن زیدؓ - عبداللہ بن مسعودؓ - حضرت ابوبکرؓ کی ترغیب سے اس جماعت حقہ میں شامل ہوئے۔ یہ سب تبدیلی خاموشی سے ہو رہی تھی کیوں کہ اس دعوت کی آواز ابھی بلند نہیں کی گئی تھی۔ یہ ایمان و اقرار' دلوں کا جھکاؤ اور نگاہوں کی تسلیم تھی۔ در حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر اور پختہ عہد وفا ہوتا بھی کونسا ہے۔

1۔ قرآن کریم نے اس کے لئے لیل کہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلی وحی کا وقت بھی رات کا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا' جہالت کی جن تاریکیوں میں لپٹی ہوئی تھی' اس کی وجہ سے اس زمانے کو تشبیہاً لیل (رات) کہا ہو۔

یک نگہ یک خندہ دز دیدہ یک تابندہ اشک ○ بہر پیمان محبت نیست سوگندے دگر

WHY WAIT TILL DECEMBER

Most of the Subscriptions shall be expiring in December 1994. Patrons are requested please to renew their subscriptions before end of the year.

Subject to availability of Funds the subscription of *Peshghi Khatadarans* shall be renewed from their *Khatas*.

Rates of Subscription shall continue to be the same as for the year 1994.

Bazms and Account Holders sponsoring despatch of Magazine to their friends, relatives and Libraries are requested to intimate changes in the Month of Nov 94, failing which the despatch shall continue unabated.

Brig (Retd) Izaz Ud din Ahmad
Chairman
Idara Tolu-e-Islam.

قرآنک ریسرچ سنٹر

(مرکز تحقیقات قرآنیہ)

- اگر آپ کبھی بیمار ہو جائیں تو آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فلاں ڈاکٹر یا فلاں طبیب کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ خود معلوم نہ ہو تو آپ کے دوست آپ کو بتا دیتے ہیں کہ آپ کو کہاں جانا چاہئے۔
- آپ کو کبھی قانونی مشورہ درکار ہو تو آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کو کس وکیل کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔
- آپ کو مکان بنوانا ہو تو آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ آپ کو کس آرکیٹکٹ یا انجنیئر سے بہترین مشورہ مل سکے گا۔
- آپ کو معلوم کرنا ہو کہ فلاں مسئلہ کے متعلق "شریعت" کا کیا حکم ہے تو آپ کو کئی مفتی مل جائیں گے۔ جو اس کے متعلق فتوے دے دیں گے۔

لیکن اگر آپ کو کبھی یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہو کہ فلاں معاملہ میں قرآن کریم کی تعلیم کیا ہے تو آپ کو کوئی گوشہ ایسا دکھائی نہیں دے گا۔ جہاں سے آپ کو یہ معلوم ہو سکے۔ آپ کہہ دیں گے کہ ملک میں ہزاروں علمائے کرام موجود ہیں جن کی طرف اس مقصد کے لئے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ لیکن (بلا کسی کی تنقیص کے) یہ واقعہ ہے کہ آپ کو ان کے ہاں سے خالص قرآن کی تعلیم نہیں مل سکے گی۔ وہ صرف یہ بتائیں گے کہ اس باب میں فلاں مفسر نے یہ کہا ہے اور فلاں امام فقہ کا یہ قول ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے خود قرآن کو اسی طریق سے پڑھا ہوتا ہے۔

اس سے پہلے کسی ایسے مرکز کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی جہاں سے ایک طالب حقیقت کو خالص قرآن کی تعلیم مل سکے لیکن اب جب کہ مسلمانوں میں قرآنی ذوق پیدا ہو رہا ہے ایسے مرکز کی ضرورت کا احساس بھی شدید ہو رہا ہے۔ قرآنک ریسرچ سنٹر (مرکز تحقیقات قرآنیہ) اسی مقصد کے لئے قائم کیا گیا ہے اس میں ایک طرف تو قرآنی علوم کے متعلق تحقیق کا کام ہو گا۔ اور دوسری طرف متلاشیان حقیقت کو حتی

امکان بتایا جائے گا کہ ان کے زیر نظر معاملات و مسائل کے متعلق قرآن کی تعلیم کیا ہے۔ ادارہ حکومت سے پہلے بھی کہہ چکا ہے اور اسے اب دوبارہ دہرایا جاتا ہے کہ اگر انہیں بھی کسی معاملہ میں یہ معلوم کرنا ہو کہ قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے تو اس مرکز کی طرف سے ان کے استفسارات کا جواب' بلامزد و معاوضہ دیا جائے گا۔ اس باب میں نہ مرکز کو کسی کے عقائد سے کچھ تعلق ہو گا نہ مسلک سے' نہ سیاسی رجحانات سے وئی واسطہ ہو گا نہ کسی گروہ کے مفاد و مصالح سے۔ وہ بلا کسی رو رعایت اور بلاخوف ملامت یہ بتائے گا کہ معاملہ زیر نظر میں قرآن کا ارشاد کیا ہے۔؟ ہر قسم کی فرقہ بندیوں سے بلند ہو کر خالص قرآن کا ارشاد !

قرآنک ریسرچ سنٹر کی تعمیر کے لئے زمین حاصل کر کے ابتدائی تیاریاں مکمل کر لی گئی ہیں۔ اس لئے ان تمام حضرات سے جو اپنا ہاتھ اسی دن کے انتظار میں روکے ہوئے تھے' التماس ہے کہ وہ اس عظیم مرکز کی تعمیر کے لئے ادارے کا ہاتھ بٹائیں تاکہ ادارہ' قرآن کے تحقیقی مرکز کے کسی ایک بلاک کی تعمیر اپنے ذمے لے سکے۔

عطیات نیشنل بنک آف پاکستان - مین مارکیٹ گلبرگ برانچ میں ادارہ طلوع اسلام کے اکاؤنٹ نمبر 3082 میں بھجوائے جا سکتے ہیں۔

مستدعی

(بریگیڈئر ریٹائرڈ)

اعزاز الدین احمد خاں چیرمین ادارہ طلوع اسلام

نرخنامہ اشتہارات

ٹائٹل کے صفحات	ایک بار کے لئے	سال بھر کے لئے
پشت پر	800 روپے	6000 روپے
(اندرونی صفحات)	600 روپے	5000 روپے
اندرونی صفحات		
پورا صفحہ	500 روپے	4000 روپے
نصف صفحہ	300 روپے	2000 روپے
چوتھائی صفحہ	150 روپے	

شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ اشتہار شائستہ اور معیاری ہونے چاہئیں

حقائق و عبر

درود کا مفہوم

ضلع جھنگ سے ماہنامہ "الجامعہ" شائع ہوتا ہے۔ اگست 1994ء کے شمارے میں صفحہ 28 پر ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی صاحب درود پاک کی فضیلت کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

"درود پاک تاجدار انبیاءؑ کے ہاں نذرانہ عقیدت' بیش بہا وسیلہ' عظمت شان' ایمان کامل کا اعلان' اوصاف جمیلہ کی تعریف و توصیف' لامتناہی محبت و عقیدت' حضورؐ انور کی اتباع' اللہ کی قدرت کاملہ کا اعتراف' وحدت مطلقہ کا دل سے اعتراف' طلب مغفرت' مقام محمود کی دعا' مقام شفاعت پر پہنچانے کی دعا' حضور کے مراتب عظمیٰ کی طلب و مغفرت اور حضورؐ کے اعزاز و اکرام کا دوسرا نام ہے۔

مزید لکھتے ہیں۔

چراغ اگر چھوٹا ہو تو اس کی روشنی پھیلانے کے لئے ایک کمرے سے اٹھا کر دوسرے کمرے میں پہنچانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن سورج کی شعاعیں بیک وقت یکساں طور پر بہ آسانی پہنچتی رہتی ہیں۔ شرط صرف اتنی ہے کہ رخ سورج کی جانب ہو۔ ماڈرن اصطلاح میں یہ ساری بات PRENPIAMNY یعنی برقی لہروں کے ارتعاش کا معاملہ ہے۔ اگر انسان صحیح (WAVELENGTH) (لاسلکی شعاعوں کے طول) کے ساتھ TUNE-IN (ہم آہنگ) ہو جائے تو کسی کا دل تار گھر میں استعمال ہونے والی MORSE-KEY بن جاتا ہے۔ کسی کا دل بڑی طاقت کا شارٹ ویو ریڈیو سیٹ بن جاتا ہے۔ کسی کا دل ٹیلی ویژن' کسی کا رنگین ٹیلی ویژن بن جاتا ہے۔ WAVE LENGHTS کی ہم آہنگی اعمال اور طاقت سے ہوتی ہے اور ٹرانسمیٹر کے ساتھ صحیح مرکز کا کنکشن صرف درود شریف کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ

قدرت اللہ شہاب (شہاب نامہ) کے صفحہ نمبر1155 پر راقم طراز ہیں۔ بعض لوگ دریافت

کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے سے پہلے درود پڑھنا کیوں لازمی ہے؟ دراصل ایسا کرنا تو بالکل لازمی نہیں البتہ سود مند ضرور ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جس طرح بھی دعا کی جائے وہ پہنچ تو ضرور جاتی ہے لیکن دنیاوی اصطلاح میں درود شریف کی مثال شاہی ڈسپیچ بکس (DESPATCH BOX) کی سی ہے' جو دعا اس ڈسپیچ بکس میں بند ہو کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچے اس کی جانب خصوصی اور فوری توجہ کا منعطف ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔"

عرصہ ہوا ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب کی ایک کتاب پڑھی تھی۔ (من کی دنیا) انہوں نے لکھا تھا اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے وہ نام چن لیجئے جس کے عدد آپ کے نام کے عدد کے برابر ہوں پھر اس نام کا ورد کریں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اور آپ کی (FREQUENCY) ایک ہو جاتی ہے۔ درمیان میں کوئی بھی (DISTURBANCE) نہیں کر سکتا۔ دعا ڈائریکٹ پہنچتی ہے۔

درود کا مفہوم ___ طلوع اسلام کے نزدیک

درود کا لفظ عربی زبان کا نہیں۔ لفظ نماز کی طرح یہ بھی قدیم فارسی (پہلوی) زبان کا ہے۔ ایران کے مجوس (جنہیں ہمارے ہاں پارسی کہا جاتا ہے) اپنے طریق پرستش کو نماز کہتے تھے اور دعا پڑھنے کو درود۔ وہیں سے یہ دونوں لفظ ہمارے ہاں آ گئے اور ان کا استعمال اس کثرت سے ہوا کہ قرآن کریم کی دونوں اصطلاحات' صلوۃ اور صلوات نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں ___ ایسی اوجھل کہ اب ان کا تصور تک ذہن میں نہیں آتا۔ نتیجہ یہ کہ وہ انقلابی پروگرام جو ان اصطلاحات میں مضمر تھا' گم ہو گیا۔ صلوۃ کا مفہوم' خاص طریق پرستش میں محدود ہو گیا اور **صلوت اللہ علیھم** کا مقصود' درود پڑھنے میں تبدیل ہو گیا۔ بیسیوں قسم کے درود تصنیف ہوئے اور ہر درود کے وظیفے کے مختلف طریق وجود میں آ گئے ___ کچھ جلی' کچھ خفی ___ کچھ کتابوں میں' کچھ سینہ بسینہ۔ کچھ روایات کے ذریعے' کچھ علم لدنی (باطنی علم) کی رو سے۔ درود شریف کی فضیلت میں کتابوں پر کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ اب کیفیت یہ ہو چکی ہے کہ درود شریف اور اس کی برکات ایسا مسلمہ بن چکے ہیں کہ ان کے متعلق کچھ سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی' حتی کہ اگر کوئی شخص اس کے حقیقی (قرآنی) مفہوم کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کرے تو دہائی مچا دی جاتی ہے کہ اس کے ایمان میں خلل واقع ہو گیا ہے۔ اسے ان شیطانی وساوس سے فوراً توبہ کرنی چاہئے۔ آپ نے غور فرمایا کہ یہ مقام کس قدر نازک اور یہ مرحلہ کیسا دشوار گزار ہے۔ لیکن قرآن کریم کے طالب العلم ہونے' اور اس کے

مفہوم کو واضح طور پر بیان کرنے کی وجہ سے ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم ان تمام مقامات کا مفہوم قرآن کی روشنی میں سامنے لائیں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو یہ قرآن سے بددیانتی کے مترادف ہو گا جو بارگاہ خداوندی میں سنگین ترین جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

ہم شروع سے یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ قرآن کریم کا ترجمہ دنیا کی کسی زبان میں نہیں ہو سکتا۔ اپنی اپنی استعداد اور بصیرت کے مطابق' اور چند شرائط کے تحت' اس کا مفہوم بیان کیا جا سکتا ہے۔ جب یہ صورت عام قرآنی مفردات (الفاظ) کی ہے تو اس کی اصطلاحات کا معاملہ اس سے بھی زیادہ اہم اور مشکل ہے۔ قرآنی اصطلاحات بڑی جامع اور خاص تصورات کی حامل ہیں اس لئے ان کی جگہ کوئی اور اصطلاح استعمال نہیں کی جا سکتی۔ اگر ایسا کیا جائے تو ہم قرآن سے دور ہٹ جائیں گے۔

قرآنی اصطلاحات

مثلاً ہم نے قرآنی اصطلاح صلوۃ کی جگہ نماز کی اصطلاح وضع اور اختیار کی تو (ارباب فکر و بصیرت جانتے ہیں کہ) ہم قرآنی تصور صلوۃ سے کس قدر دور چلے گئے۔ یہ وجہ ہے جو ہم کہا کرتے ہیں کہ ہمیں قرآنی اصطلاحات کی جگہ دوسری اصطلاحات کبھی اختیار نہیں کرنی چاہیں۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے' نماز اور درود (وغیرہ) قدیم پہلوی زبان کے الفاظ ہیں جو مجوسیوں کے مذہب میں عام مستعمل تھے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی (عربی زبان کی) اصطلاحات کی جگہ یہ اصطلاحات اس وقت رائج ہوئیں جب اسلام' ایران میں پہنچا۔ اس امر کی تحقیق کرنا اسلام کی تاریخ (مسلمانوں کی نہیں بلکہ اسلام کی تاریخ) مرتب کرنے والے کی ذمہ داری ہو گی کہ قرآنی اصطلاحات کی جگہ یہ مجوسی اصطلاحات کن عوامل و عناصر کے ذریعے اسلام میں در آئیں' انہیں رائج کرنے کے لئے کیا کیا کوششیں کی گئیں اور اس سے مقصد کیا تھا۔ اس تمہید کے بعد آیئے آیت **ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی** ..... (56/33) کے قرآنی مفہوم کی طرف۔ اس آیت کو تو آپ نے ہر منبر و محراب اور ہر مذہبی محفل و مجلس سے ہزاروں مرتبہ سنا ہو گا۔ لیکن اس آیت سے چند ہی آیات پہلے' ایک اور آیت ہے جسے آپ نے بہت کم سنا ہو گا۔ وہ آیت یہ ہے۔

ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور و کان بالمؤمنین رحیما (33/43)

اس کا ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ یوں کرتے ہیں۔

"(اے جماعت مومنین۔ اللہ) وہ ہے جو رحمت بھیجتا ہے اوپر تمہارے اور فرشتے اس کے جو کہ نکالے تم کو اندھیروں سے طرف روشنی کے۔ اور ہے ساتھ ایمان والوں کے مہربان "

آپ سردست' اس آیت کے صرف پہلے حصے کو لیجئے۔ یعنی **ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ** کو۔ آیت (33/56) میں کہا گیا تھا کہ " **ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی** ....." اور آیت (33/43) میں ہے **ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ** یعنی اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں تو وہ اسی طرح مومنین پر بھی درود بھیجتے ہیں۔ (الفاظ دونوں آیتوں میں ایک ہی ہیں)۔ آپ دیکھئے کہ قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں جو ایک ہی سورۃ میں' تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہوئی ہیں) اللہ اور اس کے فرشتے کی طرف سے جو بات نبیؐ کے لئے کہی گئی ہے وہی بات مومنین کے لئے بھی کہی گئی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں' نبی اکرمؐ پر درود بھیجنے کا ذکر تو اس کثرت سے ہوتا ہے لیکن مومنین پر درود بھیجنے کا کہیں تذکرہ نہیں ہوتا۔ ہم پہلے آیت __ **ھو الذی یصلی علیکم** (33/43) کو لیتے ہیں۔ کیوں کہ اس کا مفہوم واضح ہو جانے سے آیت (33/56) کا مفہوم خود بخود سامنے آ جائے گا۔

صلی علیہ کے معنی

مفردات امام راغب میں **صلی علیہ** کے معنی لکھے ہیں' تعظیم کرنا' دعا دینا' حوصلہ افزائی کرنا۔ آیات قرآنی میں جہاں "**صلی علی**" آئے گا' وہاں دیکھا جائے گا کہ ان معانی میں سے کون سا معنی زیادہ موزوں ہے۔ آیت (33/43) میں کہا یہ گیا ہے کہ **ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور** ..... اللہ اور اس کے فرشتے' مومنین کے ساتھ "**صلی علی**" کا عمل ایسا ہے جس سے جماعت مومنین تاریکیوں سے روشنی کی طرف آ جاتی ہے۔ **ظلمت** (تاریکیوں) سے نور کی طرف آنے کا مطلب کیا ہے' اسے سورہ ابراہیم کی اس آیت میں واضح کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

و لقد ارسلنا موسی بایتنا ان اخرج قومک من الظلمت الی النور .....

(14/5)

"ہم نے موسیٰؑ کو اپنا ضابطہ قوانین دے کر اس مقصد کے لئے (مصر واپس بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو ظلمت سے نور کی طرف نکال لائے۔"

قوم بنی اسرائیل' مصر میں فرعونی محکومیت کے شکنجوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ ان کی اس حالت کو

قرآن کریم نے **ظلمت** کہہ کر پکارا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو وہاں بھیجا گیا کہ وہ اس مظلوم و مقہور قوم کو فرعون کی غلامی کے شکنجہ سے چھڑا کر آزادی کی فضائے بسیط کی طرف لے آئے۔ اسی سورۃ میں چار آیتیں پہلے کہا گیا ہے کہ

کتب انزلنہ الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور (2/257)

"اے رسول ! ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف اس لئے نازل کی ہے کہ اس کے ذریعے تو نوع انسان کو **ظلمت** سے نور کی طرف لے آئے۔"

سورۃ بقرہ میں ہے

اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور..... (2/275)

"اس جماعت (مومنین) کو اللہ کی سرپرستی اور حمایت حاصل ہے جو انہیں **ظلمت** سے نور کی طرف لے جائے گی۔"

ان تصریحات سے واضح ہے کہ **ھو الذی یصلی علیکم و ملائکتہ** (33/43)_ اللہ اور اس کے فرشتے کا ایسا عمل ہے جس سے یہ جماعت ہر نوع غلامی سے دستگاری حاصل کر کے' صحیح آزادی اور حریت کی فضا میں بال کشا ہو جائے گی۔ ایسا نظام قائم کر لے گی جس میں نہ کوئی کسی کا محتاج ہو نہ محکوم۔ اس نظام کا قیام خود منشاء خداوندی ہے لیکن یہ قائم ہوتا ہے ایک جماعت کے ہاتھوں۔ جو جماعت اس مقصد کو لے کر اٹھتی ہے اسے خدا کی نصرت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ

یا یھا الذی امنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم (47/7)

"اے جماعت مومنین ! اگر تم خدا کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہو گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا۔ اور وہ مدد کیا ہو گی ___ وہ تمہیں ثابت قدمی عطا کر دے گا۔ تمہارے پاؤں میں لغزش نہیں آنے دے گا۔"

کہا کہ

کان حقا علینا نصر المومنین۔ (30/47)_

"جماعت مومنین کی مدد کرنا' ہم پر واجب ہو جاتا ہے۔"

خدا کی یہ مدد' جس سے اس جماعت کو ثبات و استقامت حاصل ہو جاتی ہے' فرشتے کی وساطت سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ جنگ بدر جیسے زلزلہ انگیز معرکہ کے سلسلہ میں' کہا کہ خدا نے فرشتے کو حکم دیا کہ

فثبتوا الذین امنوا ..... (8/12) "جماعت مومنین (مجاہدین) کو ثبات و استقامت عطا کر دو" اسی کو نصرت خداوندی کہا گیا ہے۔ (3/122-124:9/25-26) تصریحات بالا کی روشنی میں آیت (33/43) کا مفہوم واضح ہو گیا۔ اس میں سلسلہ کلام یوں چلا آتا ہے کہ

یا یھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا (33/41)

"اے جماعت مومنین ! تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم اس ضابطہ قوانین خداوندی کو اپنے سامنے بھی رکھو اور دنیا میں اس کا زیادہ سے زیادہ چرچا بھی کرو۔" **وسبحوہ بکرۃ و اصیلا** (33/43)_ اور اس کی عملی تنفیذ کے لئے دن رات سرگرم عمل رہو"

ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور و کان بالمومنین رحیما (33/43)

"اگر تم ایسا کرتے رہے تو خدا اور اس کے فرشتے کی تائید و نصرت تمہیں حاصل رہے گی۔ تمہاری سعی و عمل کی کھیتیاں پروان چڑھیں گی۔ تمہارے نظام میں کسی قسم کا خلل اور فساد واقع نہیں ہو گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم زندگی کی ہر قسم کی تاریکیوں سے نکل کر جگمگاتی روشنی میں آ جاؤ گے اور تمہاری صلاحیتیں نشوونما پاتی چلی جائیں گے"

یہاں سے ہم آیت (33/56) کی طرف آ جاتے ہیں جس میں کہا کہ **ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی** "اس نبی کو خدا اور اس کے فرشتے کی تائید و نصرت حاصل ہے"

جیسا کہ فرمایا

و ینصرک اللہ نصرا عزیزا (43/3) "اے رسول ! اللہ تمہیں ایسی نصرت عطا کرے گا جس سے تمہیں غلبہ اور تمکن حاصل ہو جائے۔ **ان لننصر رسلنا و الذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا**..... (51/40) "ہم اپنے رسولوں اور جماعت مومنین کی اسی دنیاوی زندگی میں مدد کیا کرتے ہیں"

آیت کے پہلے حصہ میں کہا گیا کہ **ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی** "اس نبی کو اللہ اور اس کے فرشتے کی نصرت حاصل ہو گی" لیکن دوسری جگہ رسولؐ اللہ سے کہہ دیا کہ **یا یھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المنین** (8/64) "اے رسول ! تمہارے لئے صرف اللہ کی مدد کافی نہیں۔ اس کے ساتھ اس جماعت کی مدد بھی ضروری ہے جو تمہارا اتباع کرتی ہے"

یعنی رسولؐ اللہ کے مشن کے کامیاب ہونے کے لئے اللہ' اس کے فرشتے اور جماعت مومنین کی تائید

و نصرت کی ضرورت ہے- اس کے لئے کہا کہ **یا یھا الذین امنوا صلوا علیه** (33/56) "اے جماعت مومنین ! خدا کے اس پروگرام کو پروان چڑھانے کے لئے تم بھی اس رسول کی مدد کرو-" دوسری جگہ ہے- **تعزروہ و توقروہ** .... (48/9) "اس کی مدد کرو- اس کی عظمت کو قائم رکھو" مومنین رسولؐ اللہ کی مدد کیسے کریں؟ فرمایا- **صلوا علیه و سلموا تسلیما** - (33/56) "تم اس کی مدد کرو- وہ اس طرح کہ تم اس کی اطاعت کرو جیسا کہ اطاعت کرنے کا حق ہے" دوسری جگہ ہے- **عزروہ و نصروہ و اتبعوا النور الذی انزل معه اولئک هم المفلحون**- (7/157) "تم اسے تقویت پہنچاؤ- اس کی مدد کرو- وہ اس طرح کہ تم اس کتاب روشن کا اتباع کرو جسے اس کی طرف نازل کیا گیا ہے- اس طرح تمہارا مشن کامیاب ہو جائے گا-"

اب پوری آیت کو سامنے لائیے-

> **ان الله و ملائکته یصلون علی النبی - یایها الذین امنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما** (33/56)
>
> "یہ حقیقت ہے کہ خدا اور اس کے فرشتے اس نبی (کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے اس) کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں- اس کی مدد کرتے ہیں- اے جماعت مومنین ! تم بھی اس کی مدد کرو- وہ اس طرح کہ اس کی پوری پوری اطاعت کرو"

یہ ہے وہ آیت جس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ "اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر- اے جماعت مومنین ! تم بھی اس پر درود اور سلام بھیجو- اور درود اور سلام بھیجنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم **اللھم صلی علی محمد** ...... (الخ) کے الفاظ دہراتے رہو- دن رات اس میں مشغول رہو- آپ نے غور فرمایا کہ **یصلون علی النبی** کا ترجمہ "درود بھیجنا" کر کے' کس طرح ایک عظیم عملی انقلاب آفریں پروگرام کو چند الفاظ دہراتے رہنے میں تبدیل کر دیا؟ __ تا بساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات __ وہ قوم جس نے دنیا کے ہر باطل نظام کی بساط الٹ کر' ان کی جگہ نظام خداوندی کو متمکن کرنا تھا' کس طرح چند الفاظ کو دہرا کر نجات حاصل کرنے کو اپنا مقصد حیات بنا کر بیٹھ گئی !

اس تبدیلی کے لئے کچھ زیادہ کاوش نہیں کرنی پڑی- "تلاوت قرآن مجید" کا ترجمہ کر دیا- "قرآن پڑھا کرو-" **اقیموا الصلوۃ** کا ترجمہ کر دیا- "نماز پڑھا کرو-" اور **صلوا علیه و سلموا تسلیما**- کا ترجمہ کر دیا "رسول پر درود و سلام بھیجا کرو-" یعنی چند الفاظ پڑھا کرو- یوں یہ دین' مذہب میں تبدیل ہو گیا- "کیا کرو" کو "پڑھا کرو" میں تبدیل کر دیا- وہی آیت جو شعلہ جوالہ تھی' راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئی-

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے ○ پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

جہاں تک محض پڑھنے' یعنی الفاظ دہراتے رہنے کا تعلق ہے' اس کا سلسلہ بہت پیچھے جاتا ہے۔ علم الانسان کے ماہرین کا خیال ہے کہ انسانی زندگی کا پہلا دور' عہد پرستش (AGE OF WORSHIP) تھا۔ اس سے اگلا دور' عہد سحر (AGE OF MAGIC)۔ اس دور میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ بعض الفاظ میں (ان کے معانی میں نہیں بلکہ ان الفاظ میں) خاص تاثیر ہوتی ہے۔ اگر ان الفاظ کو خاص طریقہ سے دہرایا جائے تو وہ اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے دور جہالت کے ان باطل تصورات کو ختم کر دیا لیکن ہم (قرآن کو چھوڑنے کے بعد) پھر اس عہد سحر کی طرف لوٹ گئے۔ قرآنی آیات کے ورد وظیفے اور ان کے الفاظ کو دہراتے رہنے کا مسلک' سب اس دور کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ "درود پڑھنا" بھی اس زمرے میں آتا ہے۔ یہ کچھ کرنے کا کام تھا۔ محض پڑھنے کا نہیں۔

ہم نے دیکھا ہے کہ " **صلی علی** کے معنی حوصلہ افزائی کرنا اور دعا دینا بھی ہیں۔ سورہ التوبہ میں ہے کہ ان اعراب میں ایسے لوگ ہیں جو اس نظام کے قیام کے لئے بطیب خاطر' مالی امداد دیتے ہیں۔ ان کا اس سے مقصد ہوتا ہے **قربت عنداللہ و صلوت الرسول** (9/99)۔ خدا کے ہاں بلند درجات اور رسول کی طرف سے حوصلہ افزائی۔ یہ کس طرح سے ہوتی ہے۔ اس کے لئے رسولؐ اللہ سے کہا کہ

خذ من اموالھم صدقہ تطھر ھم و تزکیھم بھا و صل علیھم - ان صلوتک سکن لھم (9/103)

تم ان کے عطیات قبول کر لیا کرو' مناسب تعلیم و ترتیب سے ان کے قلب و نگاہ کی تطہیر اور ان کی صلاحیتوں کی نشوونما کا انتظام کرو۔ اور ان کے اچھے کاموں کی تحسین و ستائش سے ان کی حوصلہ افزائی کیا کرو۔

یاد رکھو ! تمہاری تحسین (شاباش یعنی شادباش) ان کے لئے بڑی تسکین خاطر کا موجب ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد آیئے یہ زیر نظر کی طرف جس میں کہا گیا ہے کہ **اولئک علیھم صلوت من ربھم ورحمتہ** (2/157)۔ یہ وہ سرفروش ہیں' جن پر خود خدا' تحسین و تبریک کے پھول نچھاور کرتا اور ان کی ذات کی مزید نشوونما کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔

قند مکرر

آزادی

(پروفیسر زاھدہ منظور)

سب سے پہلے' میں اس بزم کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جس نے بے زبانوں کو زبان دی۔ عورتوں کو بے زبان کہہ کر' برادران ! میں ان کے باتونی ہونے سے انکار نہیں کرتی۔ "بے زبان" سے یہاں میرا مطلب اس گھریلو یا پالتو قسم کے جانور سے ہے۔ جو آپ سے یہ نہ پوچھ سکے کہ آپ نے اسے ایک کھونٹے سے کھول کر دوسرے کھونٹے سے کیوں باندھ دیا جو خود اپنے لئے فیصلے کرنے سے قاصر ہو' یا قاصر بنا دیا گیا ہو۔ وہ جس کی روح پر قید ہو' گفتار پر تعزیریں ہوں' جس کی فکر محبوس ہو اور جذبات پہ زنجیریں ہوں۔

عورت کی بے زبانی' برادران عزیز ! اس بے زبان کی بے زبانی سے زیادہ قابل رحم رہی ہے جسے سپوتنک (SPUTNIK) میں بند کر کے فضا کی پہنائیوں میں بے یارو مددگار چھوڑ دیا گیا ہو۔ اس بے زبان پر خود مختاری کی تہمت نہیں۔ لیکن عورت پر انسان ہونے کی جہت سے خود مختاری کی تہمت بھی ہے۔

برادران عزیز ! اقوام متحدہ کے اجلاس میں بیگم اکرام اللہ کا کھڑے ہو کر کشمیر کے مسئلہ پر دھواں دار تقریر کرنا تو اہل وطن کی سمجھ میں آ سکتا تھا' لیکن ایک عورت کا کسی ایسی مجلس میں برسر منبر آنا' جس میں خدا اور اس کی کتاب کا ذکر آتا ہو' اسی قدر ناقابل تصور سمجھا جاتا رہا ہے' جس قدر ایک مرد کا ایک ہی وقت میں دو یا تین بیویاں نہ رکھ سکنا۔

آج تک تو کام بہت آسان تھا' برادران عزیز ! نہ فکر جہاں' نہ غم دوران ___ خود اپنے لئے بھی فیصلے کرنے کی زحمت کبھی نہ اٹھانی پڑی تھی۔ قفس کے گوشے کی عافیت اب بھی کبھی یاد آتی ہے تو عافیت پسند ذہن بیساختہ پکار اٹھتا ہے

زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی
کیوں ترا راہ گذر یاد آیا

"راہ گذر" کا یاد آنا' برادران عزیز ! تحریک طلوع اسلام میں قدم رکھنا تھا۔ شروع شروع میں جذبہ محرکہ ___ اگر آپ اسے حرکت کہہ سکتے ہیں ___ بڑوں کے حکم کے تحت "خدا اور رسول" کا نام سن کر " عاقبت سنوارنا" تھا۔ پھر آہستہ آہستہ برسوں کے بسائے ہوئے صنم خانے ویران ہونے لگے۔ بات سمجھ میں آنے لگی۔ اور آخر کار' دستور زبان بندی بھی تہہ ہو گیا۔ کچھ کہنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ انسانوں کے خود ساختہ قفس کی چلمن کی رنگین تیلیاں ایک ایک کر کے ٹوٹ چکی تھیں۔ خدا کی عطا کردہ لذت پرواز پھر ایک مرتبہ ہماری تھی۔ لیکن ساتھ ہی دیکھا تو ___ تیر بھی کمان میں تھا اور صیاد بھی کمیں میں۔ میرا اشارہ' خواتین و حضرات ! ان لامحدود ذمہ داریوں کی جانب ہے جو انسانیت کے مقام پر پہنچ کر آدمی پر عائد ہوتی ہیں۔ اس درد جگر کی طرف ہے' جو مقام بندگی پر پہنچ کر آدم کے حصہ میں آتا ہے۔ ایک روسی مصنف کا کہنا ہے۔

"زندگی کے متعلق سوچنا خود زندگی سے کم دشوار نہیں"

لیکن برادران ! مقام بندگی پر پہنچ کر' یہ محسوس کرنے میں دیر نہیں لگتی کہ یہی دشواریاں دراصل متاع حیات ہیں۔ جیسا کہ شاعر مشرق نے کہا ہے۔

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو و مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خدا وندی

یہ دشواریاں' انسان کی آزادی فکر و عمل کی پیدا کی ہوئی ہیں ___ اور وہ شے جس نے صبح ازل مقام آدم کو مقام فرشتہ سے افضل قرار دیا تھا' آزادی فکر و عمل ہی تھی۔

یہاں پر میں' یہ ضروری سمجھتی ہوں کہ آزادی کے مفہوم کو ذرا وضاحت سے بیان کر دوں۔ جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے' آزادی چند سطحی تبدیلیوں کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ مغرب کی عورت کو آزاد کہا جاتا ہے محض اس لئے کہ وہ نوکری کر سکتی ہے' نیم عریاں لباس پہن سکتی ہے اور مردوں کے ساتھ رقص کر سکتی ہے۔ ایسا معاشرہ' خواتین و حضرات ! جو عورت کو اس بات پر مجبور کر دے کہ وہ زندگی بھر' مردوں کے معیار حسن و دلفریبی پر پورا اترنے کی کوشش کرتی رہے' آزاد معاشرہ نہیں۔ ایک انسان کا محض دوسرے انسان کی خوشنودی کی خاطر اپنی شخصیت کو کچل کر رکھ دینا' برادران ! آزادی نہیں آزادی کی تضحیک ہے۔ (LADIES FIRST) کے اصول کی ابتداء عورت کے مقام کو اونچا نہیں بلکہ نیچا ثابت کرنے کے لئے ہوتی تھی۔ یہ اخلاق نہیں' بلکہ جذبہ رحم کا اظہار تھا۔ اور ان دونوں میں بہت فرق ہے۔

میں اپنے وطن کی ان مغرب زدہ خواتین کو بھی آزاد ماننے کے لئے تیار نہیں' جو معاشرہ کے ہر قسم کے قیود و ضوابط سے آزاد ہو چکی ہیں۔ درحقیقت یہ بھی بے زبان' گھریلو اور پالتو قسم کے جانور ہیں ___ رسیاں تڑا کر بھاگے ہوئے بے زبان گھریلو اور پالتو جانور ___ ان کا رسیاں تڑانا' ان کے شعور کی بیداری کی دلیل نہیں ___ یہ محض رد عمل ہے۔ عورت کے اس بے جان تصور کے خلاف' جسے معاشرے نے اپنایا اور جسے مصور غم' علامہ راشد الخیری نے اپنی کتابوں میں پیش کیا۔ اور رد عمل' برادران ! کسی غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ کسی قسم کے تعمیری نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن مستقل اقدار کی غیر موجودگی میں اسے روکا بھی نہیں جا سکتا۔

آزادی' خواتین و حضرات ! ایک قسم کی وضع قطع چھوڑ کر دوسری قسم کی وضع قطع اختیار کر لینے کا بھی نام نہیں۔ آزادی قلب و دماغ کی ایک خاص کیفیت کا نام ہے۔ جناح نے انگریزی ٹوپی پہن کر انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے شرعی وضع قطع میں اپنے ضمیر اور اپنی قوم کو بیچ کھایا۔

برادران ! خلیل جبران کی نظموں کا مطالعہ - ڈی ایچ لارنس میں دلچسپی۔ فرائیڈ کے نظریہ جنسیات پر بحث و تمحیص کسی کو "جدت پسند" تو کہلوا سکتی ہے لیکن اس کی آزادی کی دلیل نہیں بن سکتی۔ آزادی' برادران ! رسیاں تڑا کر بھاگ جانے کا نام نہیں۔ آزادی' کھونٹے اور رسی کی مدد کے بغیر اپنے مقام کو پہچان سکنے اور اس سے وابستہ رہنے کی صلاحیت کا نام ہے۔

خواتین و حضرات ! یہ نفسیات کا اصول ہے کہ اگر کسی شخص کے کان میں بار بار یہ دھرایا جائے کہ تم پاگل ہو' تم سودائی ہو تو ایک وقت ایسا آ جاتا ہے جب وہ واقعی اپنا توازن کھو بیٹھتا اور اپنے آپ کو پاگل اور سودائی سمجھنے لگتا ہے۔ اس سے پاگلوں اور سودائیوں کی سی حرکتیں بھی سرزد ہونے لگتی ہیں۔ اس قسم کا مذاق کچھ عورت کے ساتھ کیا گیا۔ سر راہ' بار بار اسے رنگین کھلونا کہہ کر پکارا گیا۔ پھر وہ وقت آیا' جب وہ واقعی اپنے آپ کو رنگین کھلونا سمجھنے لگی۔ اس سے برادران ! شاید ہمسفروں کے احساس ملکیت کی تو کچھ تسکین ہو گئی ہو لیکن انسانیت کے ارتقاء کی راہیں الجھ کر رہ گئیں۔ وہ سکون جو عورت کی محکومی اور بے زبانی سے گھر میں حاصل ہو دراصل سکون نہیں' برادران عزیز ! جمود ہے۔

دور کیوں جایئے' اسی محفل سے متعلق ایک واقعہ مجھے اب تک یاد ہے۔ غالباً دو سال ہوئے' انہی اجلاس میں ایک صاحب نے شرکت کی۔ واپس گھر پہنچے تو تقریروں کا اثر ابھی تازہ تھا۔ رفیقہ حیات سے تبادلہ خیالات کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پاس بیٹھ کر فرمانے لگے۔

"آج چوہدری صاحب نے اپنی زندگی کے بڑے عجیب و غریب واقعات سنائے۔ کہتے تھے ....."

بیوی نے ایک لمحہ کے لئے ان کی طرف دیکھا اور پھر بڑے اطمینان سے فرمایا:۔

"آپ کی اس قمیض کا کپڑا بڑا اچھا رہا۔"

بیچارے کچھ جھینپ سے گئے۔ بہرحال سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:۔ چوہدری صاحب نے کہا .....

بیوی نے پھر نظریں اوپر کو اٹھائیں اور مسکرا کر کہا:۔ دو مرتبہ دھل چکی ہے لیکن اس کے رنگ میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔"

شوہر بھی آسانی سے ہار ماننے والے نہیں تھے۔ تیسری مرتبہ پھر ڈھٹائی سے بولے:۔

چوہدری صاحب فرماتے تھے .....

بیوی نے پھر متبسم نگاہیں شوہر کی طرف اٹھائیں۔۔

برادران عزیز ! یہ کسی ناخواندہ خاتون کا ذکر نہیں۔ موجودہ زمانے کی اصطلاح میں انہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ کہا جائے گا۔ ان کی ذہانت کے چرچے اب تک ہیں ___ تو انہوں نے برادران ! پھر متبسم نگاہیں شوہر کی طرف اٹھائیں اور کہا:۔ "دونوں مرتبہ میں نے اسے گھر ہی میں دھو کر استری کیا ہے۔" شوہر کی ہمت جواب دے گئی۔ پٹے ہوئے "جواریئے" کی طرح سر جھکائے باہر چلے گئے۔ اس وقت انہیں کون یہ بتاتا کہ

زخموں پہ دل کے آج یہ حیران ہونا کیا
قبلہ یہ گل کھلائے ہوئے آپ ہی کے ہیں

یہ ہیں وہ بے زبان رنگین کھلونے' برادران ! جو صرف اپنا ہی مقام نہیں کھو بیٹھے' بلکہ آپ کو بھی آپ کی منزل سے دور لئے جا رہے ہیں۔ یہ ہیں' وہ بے حس پتھر' جنہیں آپ ہی نے کناروں پر جمع کر کے اپنی وسعتوں کو محدود کر لیا ہے۔ ساحل کے وہ بے حس پتھر' جن سے ہر آنے والی موج اپنا سر پھوڑ کر واپس لوٹ جاتی ہے۔ یہ ہے وہ موت کا سکون جو زندگی کے ہر ولولے کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ اور جسے' بدقسمتی سے آپ' حاصل زندگی سمجھے ہوئے ہیں۔

ان پتھروں کو' برادران ! طوفانوں سے آشنا کر دیجئے۔ اس کی آزادی فکر و عمل لوٹا دیجئے۔ ان کا مقام بندگی لوٹا دیجئے موت دی ہے تو مسیحائی میں بھی ہاتھ بٹایئے۔ قرآن کی مستقل اقدار کی رو سے یہ ان کا حق

ہے' آپ کی نوازش نہ ہو گی۔

ختم کرنے سے پہلے میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ عورت کی محکومی کو مرد کی آزادی سمجھنا غلطی ہے۔ کرگسوں میں پلنے والے فریب خوردہ شاہیں رہ و رسم شاہبازی سے واقف نہیں ہو سکتے۔ قرآن جب بنی نوع آدم کو واجب التکریم بتاتا ہے' تو اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہوتے ہیں۔ نصف آدمیت کو قابل حقارت سمجھنا' باقی نصف کو واجب العزت نہیں بنا سکتا ___ ایک آنکھ دکھتی ہو تو دوسری آنکھ کبھی چین سے نہیں سو سکتی۔ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے۔ خوش عقیدگی کی اسپارین سے' درد کا احساس تو گم ہو سکتا ہے' مرض نہیں جایا کرتا ___ اور اگر اس افیونی عمل کو ایک عرصہ تک جاری رکھا جائے تو وہ زخم ایک دن ناسور بن جاتا ہے ___ قرآن کے نسخے سے' اس زخم کا علاج کیجئے' قبل اس کے یہ زخم ناسور بن جائے۔ یاد رکھیئے۔ عورت کی قرآنی آزادی' مرد کی حقیقی آزادی کی ضامن ہے۔ اس سے ڈریئے نہیں ___ والسلام۔

تفسیر القرآن از سرسید احمد خان

سرسید احمد خان کی شہرہ آفاق قرآن مجید کی تفسیر جس پر علماء نے ان پر نیچری کی پھبتی کسی اور کفر کا فتوی لگایا۔ 1902 کے بعد پہلی دفعہ ایک ہی جلد میں شائع کی گئی ہے۔ صفحات 1400 سے زائد قیمت -/450 روپے

نیز

سیرت قائد اعظم پر ایک نادر کتاب

سیرت قائد اعظم از پروفیسر رفیع اللہ شہاب

شائع کردہ

دوست ایسوسی ایٹس

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

یہ کتابیں طلوع اسلام ٹرسٹ سے بھی دستیاب ہیں

تحریک کے دن ... لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی

(پروفیسر محمد منور)

مسٹر ویکفیلڈ' انڈین سول سروس کا آدمی تھا' پیدا بھی ہندوستان ہی میں ہوا تھا' شکاریات کا شائق' ہندوستان کا مزاج شناس' بعض ریاستوں میں ریذیڈنٹ بھی رہا۔ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ بھی ایک مدت وابستہ رہا' اس نے ہندوستان میں اپنے پچاس سالہ مشاہدات و تجربات کا ملخص اپنی چھوٹی سی کتاب میں قلمبند کیا ہے۔ کتاب کا نام ہے میمائرز (یاداشتیں)' اس میں پہلی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی تیاریوں کے ضمن میں اس نے لکھا ہے کہ ہندوستانی لیڈروں کے انگلستان روانہ ہونے سے قبل دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کی جانب سے ان کو ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا اور اہتمام یہ کیا گیا کہ ہر میز پر پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ کا بھی ایک آدمی ضرور موجود ہو جو ان کو باتوں میں لگائے (اور دیکھے کہ وہ عین اس موقع پر کیا رائے اور عندیہ لئے ہوئے ہیں) مسٹر ویکفیلڈ لکھتا ہے کہ میری میز پر مہاراجہ پٹیالہ' ڈاکٹر مونجے' مدن موہن مالویہ' سر علی امام' سر محمد شفیع اور ڈاکٹر راجے تھے۔ اب مدن موہن مالویہ اور ڈاکٹر مونجے نے مسلمان ہم نشینوں سے کہا "ہم پر اعتماد کریں' ہم آپ کے لئے سب کچھ کریں گے"۔ اس پر بات بڑھ گئی' جھگڑا شروع ہو گیا' آخر سر علی امام نے مجھ سے کہا مسٹر ویکفیلڈ سچی بات تو یہ ہے کہ ہندوؤں کو ہندو راج مطلوب ہے اور مسلمانوں کو مسلم فرمانروائی۔ (صفحہ 200)

معاملہ صاف ہے کہ ہندو' ہندو ہے اور مسلمان' مسلمان۔ دونوں کا دھرم' دین' تہذیب' نظریہ حیات' سماجی رویہ اور پھر تاریخی طرز عمل قطعاً ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ دونوں قومیں تقریباً تیرہ سو سال سے ایک برعظیم میں آباد ہیں مگر یہ مل جل کر کبھی نہیں رہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک برعظیم کے باہر ساری دھرتی پلید ہے' یہ ان کا تین چار ہزار سال پرانا عقیدہ ہے۔ لہٰذا باہر کی دھرتی میں پیدا ہونے والا ہر شخص پلید ہے' ویسے ملیچھ کا لفظ غیر ملکی اور اجنبی کے مفہوم کا حامل ہے' لیکن چونکہ ہر غیر ملک کی مٹی پلید ہے لہٰذا خود بخود مجاز مرسل کے طور پر ملیچھ کا معنی پلید ہو گیا' ابوالریحان البرونی نے لکھا ہے کہ ہندوؤں کے نزدیک ہیں تو یونانی بھی ملیچھ مگر وہ ان کے علوم و فنون کی خاطر کسی حد تک ان کی قدر کرتے ہیں۔ یوں گویا مسلمان جو ابھی اس برعظیم میں وارد نہیں ہوئے تھے مگر ان کے لئے خطاب "مستطاب" ملیچھ مقرر تھا۔ سلطان محمود اور ان کے والد بزرگوار کے خلاف پال پتا اور پوت نے تین جنگیں پشاور اور غزنی کے مابین لڑیں۔ ان پال راجاؤں کی

سلطنت میں لاہور بھی شامل تھا اور بٹھنڈہ بھی۔ عیاں ہے کہ یہ ہندو حکمران چاہتے تھے کہ غزنی کی سلطنت کو برباد کر دیں' لہٰذا تین بار حملہ آور ہوئے' یہ الگ بات ہے کہ یہ حملے محمود کے حملے گنے گئے' تینوں بار راجاؤں کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور تینوں بار انہوں نے معاہدوں کی خلاف ورزی کی' محمود کو تادیبی کاروائی کرنی پڑی۔ راستہ کھل گیا تو پھر چل سو چل۔ ہاں نہیں بھولنا چاہئے کہ خلیفہ بغداد کے زیر فرمان سلطان محمود کو ملتان اور گرد و نواح کی قرمطی حکومت کو بھی ختم کرنا پڑا اور پھر قرمطیوں کا تعاقب بھی کرنا پڑا جو کبھی کانگڑہ میں پناہ گزین ہوئے' کبھی دہلی اور اجمیر میں اور آخر کار بندر گاہی شہر سومنات میں' جہاں ان کو مصر' ایران' شام اور عراق سے بھی مدد مل سکتی تھی اور ہندو راجاؤں کی بھی۔

بہرحال مسلمان ابھی برعظیم میں آئے بھی نہ تھے کہ غیر ملکی پیداوار ہونے کے باعث وہ ہندوؤں کی نظروں میں ملیچھ بمعنی پلید قرار پا چکے تھے۔ ہمارے بعض عزیز اور بزرگ جو آج کل کسی حسن اتفاق سے ہندوؤں پر مہربان نظر آ رہے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ ہندو مسلم تنافر اور باہمی تحقیر انگریز کی پیدا کردہ ہے لہٰذا اس تلخی کی تاریخ کوئی سو سال بنتی ہے ورنہ برھمنوں میں بھی تو اچھے لوگ پائے جاتے ہیں' آخر علامہ اقبال بھی تو برہمن تھے' آخری جملے کی منطق پر وارے وارے جایئے'

ہمارے یہ عزیز اور بزرگ بھول جاتے ہیں کہ ہم ہندوؤں کی نظر میں ملیچھ اس وقت بھی تھے جب انگریزوں نے ابھی شاید مسیحی دین بھی قبول نہیں کیا تھا اور شاید ابھی ان پر ڈنمارک اور روما والے حکومت کر رہے تھے' ہمارے یہ بزرگان عزیز اور عزیزان بزرگ بھول جاتے ہیں کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کا اجتماعی مقاطعہ مسلمانوں کے ورود ہند ہی کے دن سے کر دیا تھا۔ پوری انسانی تاریخ میں کسی پوری قوم نے کسی پوری قوم کا اس طرح اہانت آمیز اور پرحقارت مقاطعہ نہیں کیا جس طرح ہندو قوم نے مسلمان قوم کا مقاطعہ کیا اور اتنی طویل مدت تک۔ تیرہ سو سال ہونے کو آئے ہیں ذرا ہمارے یہ ہندو پرور افراد محترم زمزم میں غسل فرما کر اور کسی فردوس میں لائے ہوئے صابن سے جسم کو صاف کر کے کسی عام ہندو کے چوکے پرپاؤں تو کیا رکھیں فقط اپنا مقدس سایہ ڈال دیں پھر دیکھیں۔

انگریز نے اس ہندو مسلم تنافر کا فائدہ ضرور اٹھایا' مگر وہ اس تنافر کا موجد نہ تھا اس کمال میں ہندو خود مکتفی رہا۔ اب بھی ہے' حد یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ملیچھ کا معنی فقط مسلمان معین ہو گیا۔ ہندوؤں نے انگریزوں کو' پرتگیزوں کو ولندیزیوں کو یا چینیوں کو کبھی ملیچھ کہا ہے؟ پھر وہ مسلمان جو کروڑوں کی تعداد میں ان سابق صدیوں میں خود بھارت ہی کی پوتر سرزمین میں پیدا ہوئے باہر کسی سرزمین سے ان کی جنم بھومی ہونے کے اعتبار سے کوئی رشتہ ہی نہ تھا وہ سارے کے سارے کیوں کر پلید اور ناپاک ہو گئے؟ حق یہ ہے کہ

ملیچھ کا مفہوم پھیل گیا یعنی مسلمانوں کا دین غیر ملکی ہے لہٰذا ملیچھ ہے' ان کی کتاب پاک غیر ملکی نقشوں پر تیار ہوتی ہے اور بتوں سے خالی ہے لہٰذا ملیچھ ہے۔ ان کی ترکی ٹوپی' ان کا عمومی لباس' ان کی کلاہ و دستار غیر ملکی فیشن کی ہے لہٰذا ملیچھ ہے۔ ان کے نام اکثر غیر ملکی الفاظ سے مرتب ہوتے ہیں اس لئے ملیچھ ہیں۔ جن اکابر پر وہ فخر کرتے ہیں وہ عموماً غیر ملکی ہیں اس وجہ سے بھی وہ ملیچھ ہیں۔ وہ گائے کا پوتر پیشاب نہیں پیتے اور گائے کو مقدس نہیں مانتے اس لئے بھی وہ ملیچھ ہیں۔

یہ باتیں بار بار لکھی جا چکی ہیں مگر بعض سریلے اور جوشیلے واعظین و خطباء اپنے سادہ لوح اور علم سے محروم عقیدت مندوں کو ہندو سے مفاہمت کے موضوعات پر ایسے پرزور الفاظ میں تلقین فرماتے ہیں کہ احساس ہونے لگتا ہے' گویا سارا جرم اسلام کا ہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کا ہندوستان میں داخلہ بھی اہل اسلام کا گناہ معلوم ہوتا ہے۔ یہی شکایت ایرانی قوم پرستوں کو آج تک ہے۔ اگر اہل اسلام کا یہ جرم اسلامی روح کا تقاضا نہ تھا اور اسلام کو پوری اولاد آدم تک پہنچانا مقصود نہ تھا تو مدینہ طیبہ کی حدود سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہئے تھا اور اہل کفر کی دلی کلف کا باعث نہیں بننا چاہئے تھا۔ ہمارے مرحوم کرم فرما ابوالاثر حفیظ جالندہری صاحب نے ان رحمائے برائے اہل کفر کا ساتھ دیتے ہوئے اپنے مخصوص مروڑی والے اسلوب میں فرمایا تھا۔

کفر کی دلشکنی ہم نہیں کرنے والے ! ○ ہم مسلمان ہیں اللہ سے ڈرنے والے !

ہندوؤں کا پراپیگنڈا عام ہے' ریڈیو' ٹی وی' اخبارات' ہزاروں علمائے دانش فروش اور تبلیغی اجتماعات' کے ہزاروں فریب خوردہ افراد جو مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا مطالبہ خارج از تزکیہ قلب و طہارت روحانی جانتے ہیں شب و روز ظاہرا اور اشارۃ پاکستان کی تحریک کے جواز پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ سب غسلیدہ دماغ ہندی علماء' عرب ممالک میں مفاد امت کے حوالے سے پاکستان کی بقا کے خلاف نقب زن ہو رہے ہیں۔ ہمارے بعض احباب مثلاً محمد صلاح الدین (صاحب تکبر) اس امر پر فریاد کر رہے ہیں۔ ہم نے خود بھی غسلیدہ دماغ ایک دو ملایان ہند کا وعظ سماعت فرمایا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ دیدہ دانستہ یا نادانستہ یا اپنے زور ذہانت کے باعث' ایمان کے مشورے کے بغیر' "عقل تمام بولہب" کو نظر انداز کرتے ہوئے خود ہمارے اپنے ملک میں بعض دینی مردان معتبر اور بعض مجلسی افراد معزز بعض اوقات ایسے مواعظ حسنہ ارشاد فرما رہے ہیں جن سے تحریک پاکستان کے مایہ ایمان میں کیڑے ڈالے جائیں اور اس طرح گویا پاکستان سے امت مسلمہ پاک و ہند کو دستکش کیا جائے ساتھ ہی سلیقے سے مایوسی کا زہر حکیمانہ لب و لہجہ میں اور طبیبانہ فرزانگی کے ساتھ قوم کے رگ و ریشہ میں داخل اور راسخ کیا جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ دنیا بھر میں اسلامی برتری کی منادی

فرمائی جائے۔ یہ جملے کہ قائد اعظم تو پاکستان چاہتے ہی نہیں تھے' تحریک پاکستان فراڈ' قائد اعظم فراڈ اعظم' پاکستان بس امر مجبوری کہ انگریزی سازش کے تابع ہو گئی۔ بس ہم تو پاکستان سے مایوس ہو چکے ہیں' یہاں سے کہیں نکل جانے کو جی چاہتا ہے' امریکہ پاکستان کے درپے ہے' لہٰذا چین ایران اور بھارت کے ساتھ پاکستان کا الحاق ہونا چاہئے جبھی امریکی سازش کا مقابلہ ہو سکے گا۔

الحمد للہ پاکستان کی روح بھی اور ریڑھ کی ہڈی بھی پاکستانی عوام ہیں جن کا دل دولت ایمان سے مالا مال ہے۔ ہمارے یہ متعقل اور متکلم علماء اور حکماء اس وقت بھی لب بام نذر تخمین وظن تھے' جب مسلمانان برعظیم "لے کے رہیں گے پاکستان" "بٹ کے رہے گا ہندوستان" کا نعرہ مستانہ بلند کر رہے تھے۔ جب انگریزی وائسرائے اس نعرے کو "پاگل پن" قرار دے رہے تھے اور ہندوؤں کے عصری دیوتا گاندھی جی کا ارشاد یہ تھا کہ پاکستان میری لاش پر بنے گا' لیکن مسلمان پر یقین تھے' اور یقین کا بیڑا پار ہوا۔

ہمیں یاد ہے کہ مسلمانوں نے مغربی جمہوریت کی بنا پر استوار ہندوؤں کے ارادے خوشی سے نہ سنے' مغربی جمہوریت کی رو سے اکیاون کا مطلب تھا سو فیصد' ہم مسلمان برعظیم میں 23 فیصد تھے اور ہندو 77 فیصد' جس کا معنی تھا کہ ہندو سارے برعظیم پر ہندو حکومت کرے۔ مسلمانوں نے بعض معاملات میں تحفظات چاہے۔ وہ چودہ نکات جو قائد اعظم کے نکات کہلاتے ہیں درحقیقت تمام مسلم سیاسی جماعتوں کے متفقہ مطالبات پر مبنی تھے جو 1929ء کے اوائل میں تمام مسلم سیاسی جماعتوں کے نمائندوں نے مرتب اور منظور کئے۔ بعد ازاں باقی پارٹیاں ٹوٹ پھوٹ گئیں یا ان کے قائدین ادھر ادھر ہو گئے اور یہ چودہ نکات مسلم لیگ کے اور بالخصوص قائد اعظم کے ہو کر رہ گئے' لیکن ہندوؤں نے کچھ بھی مان کر نہ دیا' وہ تو سرے سے مسلمانوں کے بحیثیت ملت جداگانہ وجود ہی کے قائل نہ تھے۔ پھر جداگانہ حقوق کیسے؟ جب مسلمانوں کا قومی وجود ہی تسلیم کرنے سے ہندو نے انکار کر دیا تو مسلمانوں نے ہومیوپیتھک علاج یہ سوچا کہ جہاں جہاں مسلمان 50 فیصد سے زیادہ ہیں وہاں وہاں وہ حکومت کریں اس طرح بھارت کے دوتہائی مسلمان خود مختار ہو جاتے تھے۔

انہوں نے فرمایا ہندوستان میں رہنا ہے تو ہندو ہو کر رہو' پروفیسر بل راج مدھوک صاحب نے ایک انگریزی تصنیف میں' جس کا نام ہے "ہندوستان آن دی کراس روڈز" صاف لکھا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے بیرونی نام اختیار نہ کریں' بیرونی زبان چھوڑ دیں' بیرونی کتاب ترک کر دیں' بیرونی اکابر کو اپنا ہیرو نہ بنائیں' نام یہاں کے ناموں پر رکھیں' ہیرو یہاں کے قبول کریں دھرم کو یہاں کے الفاظ میں پڑھیں اور بیان کریں وغیرہ۔ پھر ہندو ہندو رہ سکتا ہے' اور مسلمان مسلمان۔ بھارت تو مذاہب کی جمہوریہ ہے (صفحہ 99) سبحان اللہ تشریح

کی ضرورت نہیں۔ یہ شرائط ہیں اور یہی شرائط اب تک قائم ہیں۔ اب ہندوؤں کی حکومت ہے لہٰذا بھارت میں مسلمان بچوں اور بچیوں کا غسل دماغی ہو رہا ہے اور وہ اب ہندوؤں کی طرح ہمارے ساتھ ہمارے معاملات کے باب میں مباحثہ کرتے ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں کہ مسلمان تو باہر سے آئے' دین بھی باہر کا لائے' مگر جین مت اور بدھ مت تو بھارت ہی سے اٹھے تھے' "برہمن جاتی" نے ان کے ماننے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بدھ مت والے تو آٹھ سو سال تک بھارت کے کبھی کسی بڑے اور کبھی کسی چھوٹے حصے پر قابض رہے' "برہمن جاتی" نے ان کا نام و نشان کیوں مٹا ڈالا۔ حق یہ ہے کہ ہندو کسی غیر ہندو معاشرے کو اپنی حدود میں قبول کر ہی نہیں سکتا۔ آپ لوگ ہزار وعظ فرمالیں' ہزار مفاہمت کی تلقین کریں آپ مسلمانوں کا کچھ نقصان کر دیں گے ہندو کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ ہمارے یہ لوگ جو اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھ کر فیصلہ نفع و ضرر کی اہلیت کھو بیٹھے ہیں اے کاش ! ہماری جان چھوڑ جائیں اگر یہاں سے مایوس ہو گئے ہیں تو چلے جائیں' یا کم از کم خاموش رہیں' بد خبریاں اور مایوسیاں نہ پھیلائیں۔

بلبلا مژدہ بہار بیار ! ○ خبربد بہ بوم شوم گزار !

(اے بلبل بہار کی خوشخبری لاؤ' بد خبری بدبخت بوم کے لئے چھوڑ دو)

"دی کانٹی نینٹ آف سرسی" کا مصنف نراد چودھری جو ایک بنگالی ہندو ہے ہندو کے جنگلی مزاج کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اب ہندو کے ذہن پر جو شے مقصود اول کے طور پر سوار ہے وہ پاکستان کو برباد کرنا ہے' سردار پٹیل نے کہا ہے کہ ہم جب چاہیں پشاور تک چلے جائیں' (صفحہ نمبر107)۔ دشمن کا وہ رویہ اور یہاں دشمن کو مظلوم بنا کر مسلمانوں کو زیادتی کا مجرم قرار دینے والے نرم دل خطبہ خواں کہتے جاتے ہیں کہ ہندوؤں کے خلاف مسلمانوں سے بڑی زیادتی سرزد ہوئی۔ ذرا ہندو کی تاریخ دیکھ لیں اور ہندو کے عزائم تو پہنچانیں۔

وہ لوگ جو آج مایوس ہیں اور مایوسی پھیلا رہے ہیں مگر ساتھ ہی اسلامی برتری کے وعظ بھی فرماتے ہیں وہ یہ روش کیوں اختیار نہیں کرتے کہ خواہ مصائب کے پہاڑ بھی کیوں نہ ٹوٹ پڑیں ہم اپنا علم سرنگوں نہ ہونے دیں گے۔ ایک ایک فرد کوہ ہمالیہ ہو گا۔ وہ اپنی جگہ سے سرکے گا نہیں ہماری مثال استقامت انہیں ثابت قدمی عطا کرے گی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مایوسی پیدا کرنے کی بجائے گمراہ پاسبانوں اور رہبروں سے قوم کو نجات دلانے کے لئے اہل غیرت ملک کا دورہ کرتے اور ساری قوم کو نئے سرے سے نبیان مرصوص بنا دیتے۔ جب ہمارے پاس کچھ نہ تھا تو ہم امید و آرزو سے مالا مال تھے اور مقصود حاصل کر کے رہے۔ اب پاکستان کو

مضبوط اور وسیع تر بنانے کی ضرورت ہے۔ میاں ظفر احمد صاحب نے ایک موقع پر ارشاد کردہ قائد اعظم کے یہ الفاظ اپنے ایک مقالے میں جو "نوائے وقت" میں شائع ہوا تھا نقل کئے تھے کہ "میں نے پاؤں جمانے کے لئے جگہ لے دی ہے' قلعہ بنا دیا ہے' اب اپنی تاریخ کی روشنی میں تیاری کریں۔ برعظیم کی تقدیر کا فیصلہ بزور شمشیر ہو گا" ۔ اصل فیصلہ تو ابھی ہونا باقی ہے۔ فقط ضرورت ہے اس بات کی کہ تحریک پاکستان کے دور کا ولولہ بے پناہ پیدا کیا جائے۔ ہمیں یاد ہے کہ 1937ء کے بعد اور خصوصا 1940ء کی قرار داد لاہور کے بعد برعظیم کے مسلمانوں میں جوش جنوں کی یہ کیفیت تھی کہ کسی مسلمان فرد کو پاکستان کے سوا اور کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔ کسان' مزدور' طالب علم' امیر' غریب' ریڑھی والا' تانگے والا' سبزی فروش' قصاب' دکاندار' چپڑاسی' افسر غرض وقت کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ ایک پارٹی نہیں رہ گئی تھی بلکہ برعظیم کی امت مسلمہ کا سیاسی نام مسلم لیگ تھا۔ تانگے' موٹر اور ٹرین کے سفر میں یہی بحث تھی۔ کرنل کونل نے فیلڈ مارشل آکن لیک کے بارے میں مرتب کردہ اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ جوں جوں مطالبہ پاکستان کی گھن گرج بڑھ رہی تھی' حال یہ ہو رہا تھا کہ انڈین آرمی کے مسلم اور غیر مسلم افسر ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے دیکھنے لگ گئے تھے' حالانکہ بقول کونل انڈین آرمی ڈسپلن کی رو سے دنیا کی چند اعلی افواج میں شمار ہوتی تھی۔ اب پھر ضرورت ہے اس جذبے کی۔ ہر جگہ اس دور کے مسلم لیگی جذبے کے ابھارنے کی۔ اس وقت تو مدمقابل ایک جمع ایک تھا' یعنی ہندو اور انگریز' آج دنیا بھر کے دین دشمنوں سے مقابلہ ہے۔ امریکہ سے بھی بھارت سے بھی' یہودی اسرائیل سے بھی' روسی قومیت سے بھی' اور مزید آگے چل کے نہ جانے کس کس سے۔ عوام کو اٹھانے کی ضرورت ہے وہ سوئے ہوئے تو نہیں ہیں۔ ایک دوسرے سے بچھڑے ہوئے بکھرے ہوئے ہیں' عوام ہی مسلم لیگ کی قوت تھے' نواب اور جاگیردار حضرات کی اکثریت تو ستمبر 1945ء اور جنوری 1946ء کے انتخابات کے بعد مسلم لیگ میں آئی تھی۔ یہ لوگ اس وقت آئے تھے جب مسلم لیگ معرکے مار چکی تھی۔ مسلم لیگ نے یہ معرکے عوامی زور کی مدد سے سر کئے تھے۔ مسلم لیگ عوامی جماعت تھی۔ مسلم لیگ نے سرمایہ داروں سے ان کے کارندے' جاگیرداروں سے ان کے مزارعے اور گمراہ علماء سے ان کے مقتدی چھین لئے تھے۔ آج بھی اسی امر کی ضرورت ہے۔ ہاں فرق یہ تھا کہ اس وقت ایک قد آور مرد امین قائد تھا جسے بچہ بچہ قائد اعظم کہتا تھا۔ جس کی دیانت اس کا سب سے عظیم سرمایہ اور اخلاص سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ قوم کو ایک بات کا یقین تھا کہ ان کا قائد نہ خود بک سکتا ہے نہ وہ قوم کو بیچے گا۔ آج ایسے بہت سے افراد کی ضرورت ہے جو قائد اعظم کی زبان ایمان سے یہ نعرہ لگائیں۔

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں ○ جسے غرور ہو' آئے' کرے شکار مجھے

اتنی بڑی اور اتنی شاندار قوم ایمانی اور روحانی طور پر بنجر تو نہیں ہو سکتی۔ جری جوانوں کی پاک زاد ماں کی گود اتنی بے برکت تو نہیں ..... (بشکریہ روزنامہ جنگ)

علاّمہ غلام احمد پرویز

کا درسِ قرآنِ کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
۱۔ ایبٹ آباد	۵۹۵ کے۔ ایل کہہال۔ رابطہ: شیخ صلاح الدین	جمعۃ المبارک	۱۰ بجے صبح
۲۔ بورے والا	برمکان محمد اسلم صابر، مرضی پورہ گلی نمبر ۵۔ رابطہ فون: ۲۴۳۸	ہر ماہ پہلا تیسرا جمعہ	۹ بجے صبح
۳۔ پشاور	دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ. کابلی بازار۔ رابطہ: ۲۷۰۷۲	ہر بدھ و جمعہ	۵ بجے شام
۴۔ پشاور	برمکان ابن امین فقیر آباد	جمعۃ المبارک	۴ بجے شام
۵۔ بیرمل	مکان نمبر ۱۴۰/۱۳۹۔ مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا جمعہ	۹ بجے صبح
۶۔ پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	۳ بجے سہ پہر
۷۔ جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد، جی۔ ٹی روڈ	جمعۃ المبارک	۶ بجے شام
۸۔ جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	۱۰ بجے صبح
۹۔ چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر کھٹہ بازار	جمعۃ المبارک	۳ بجے بعد نمازِ جمعہ
۱۰۔ چک ۲۱۵ ای۔ بی	برمکان چوہدری عبدالحمید	〃	۸ بجے صبح
۱۱۔ حیدر آباد	گولڈن سینٹری، عثمان آباد	〃	۱۰ بجے صبح
۱۲۔ رجانہ	برمکان چوہدری ایس۔ ایم صادق، مین بازار	ہر ماہ تیسرا جمعہ	۱۰ بجے صبح
۱۳۔ سرگودھا	۱۰۶۔ اے سول لائنز ریلوے روڈ۔ رابطہ فون: ۷۲۰۰۸۳	جمعۃ المبارک	۹ بجے صبح
۱۴۔ سیالکوٹ	محمد افضل خلجی، ایبٹ روڈ۔ رابطہ فون: ۸۷۶۵۸	پہلا اور دوسرا جمعہ	۱۰ بجے صبح

شہر	مقام	دن	وقت
۱۵۔ فیصل آباد	۲۳۔ سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک۔ فون۔ ۴۲۸۵۵	ہر جمعہ	۳۰-۳ بجے شام
۱۶۔ فیصل آباد	ڈاکٹر طارق عزیز فاؤنڈیشن B/۸۳۵ سول کوارٹرز غلام محمد آباد۔ رابطہ فون: ۳۳۰۷۰ / ۶۸۰۸۳۵	//	۳۰-۳ بجے شام
۱۷۔ کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ	جمعۃ المبارک	۴ بجے سہ پہر
۱۸۔ کراچی	چمن زاہد ۱۹۔بی بلاک ۱۳۔ڈی گلشن اقبال مقابل اردو سائنس کالج رابطہ خالد گل فون: ۵۳۹۷۹۸	//	۳۰-۹ بجے صبح
۱۹۔ کراچی	مکان ۱۶ گلشن مارکیٹ، C/۳۶ ایریا کورنگی ۵ رابطہ: محمد سرور، فون: ۳۱۲۶۳۱	//	۳۰-۱۱ بجے صبح
۲۰۔ کراچی	مکان ۲۸۲۔ E قصبہ کالونی نزد لودھی ہاؤس رابطہ: ڈاکٹر اسلم نوید۔ فون: ۶۶۶۰۵۷۸	//	۴ بجے سہ پہر
۲۱۔ کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ ایاز حسین انصاری رابطہ فون: ۴۵۷۱۹۱۹	//	۱۰ بجے صبح
۲۲۔ کراچی	مکان ۱۲۰۶۔ گلی ۱۰ اے بی ۳۶، شریف کالونی۔ لانڈھی رابطہ: لطیف، فون: ۳۱۰۳۱۶	اتوار	۸ بجے شب
۲۳۔ کوہاٹ	برمکان شیر محمد، نزد جناح لائبریری	جمعۃ المبارک	۸ بجے صبح
۲۴۔ گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ، سول لائنز	//	بعد از نمازِ جمعہ
۲۵۔ گجرات	مرزا ہسپتال، کچہری روڈ	جمعرات	۳۔ بجے
۲۶۔ لاہور	۲۵۔ بی گلبرگ ۲ (نزد مین مارکیٹ)	جمعۃ المبارک	۹ بجے
۲۷۔ لیہ	رحمانیہ میڈیکل سنٹر	//	بعد نمازِ مغرب
۲۸۔ ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	//	۱۰ بجے صبح
۲۹۔ جوہر آباد	برمکان حکیم فاروق شاہ قاضی کالونی	//	بعد نمازِ جمعہ
۳۰۔ ماموں کانجن	برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک ۵۰۹ گ ب	//	//
۳۱۔ ڈی جی خان	مدینہ ٹائپنگ کالج، بلاک ۲۔ کچہری روڈ	//	۳۔ بجے سہ پہر
۳۲۔ راولپنڈی	بمقام E-۷/۴۳۸۵/۴۷ اپر سٹوری ہائی وے آٹوز نزد لی گوالمنڈی راولپنڈی [illegible]	//	۳۰-۴ بجے [illegible]

بچوں کے لئے

پیارے بچو ! السلام علیکم

آپ کے سکول کھل گئے ہیں۔ امید ہے آپ نے سکول جانا شروع کر دیا ہو گا۔ اس ماہ سے ہم آپ کے لئے ایک انعامی مقابلہ شروع کر رہے ہیں۔ اس میں حصہ لے کر اپنی معلومات کا امتحان لیں اور سارے سوالوں کا صحیح جواب دے کر ایک سال کے پرچہ مفت حاصل کریں۔

سوالات

1- قرآن مجید میں کتنے پارے ہیں؟
2- سورۃ بقرہ میں کتنی آیات ہیں؟
3- قرآن مجید میں ہمارے پیارے نبیؐ کا نام کتنی بار آیا ہے؟
4- وہ کونسا حرف ہے جو قرآن مجید میں سب سے زیادہ استعمال ہوا ہے؟
5- قرآن مجید میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کتنی بار درج ہے ؟

مقابلے میں 15 سال تک کے بچے حصہ لے سکتے ہیں۔ 15 تاریخ تک موصول ہونے والے جوابات مقابلہ میں شامل کر لئے جائیں گے۔

محمد لطیف چوہدری

اسے یہاں سے کاٹ کر بذریعہ ڈاک واپس کر دیجئے۔

.....

نام _____ عمر _____ ایڈریس _____

_____

جوابات					
1	2	3	4	5	دستخط

○ طلوعِ اسلام کی مسلسل کاوش اور کوشش کا نتیجہ تھا کہ افرادِ ملت نے اسلام کے متعلق غور و فکر سے کام لینا شروع کیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ان کے دل میں مختلف قسم کے شکوک پیدا ہوئے اور اعتراضات ابھرنے لگے۔ یہ شکوک و اعتراضات بیشتر اُس اسلام کے پیدا کردہ تھے جو ہمارے قدامت پرست طبقہ کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے، یا اُس تعلیم کا پیدا کردہ جو ہمارے سکولوں اور کالجوں میں دی جاتی ہے۔ طلوعِ اسلام نے اپنا فریضہ سمجھا کہ وہ ان شکوک کا ازالہ کرے اور ان اعتراضات کا جواب دے۔ چنانچہ طلوعِ اسلام کے پاس یہ سوالات آتے گئے اور یہ اُن کے جوابات دیتا چلا گیا۔ سوال و جواب کے اس سلسلے کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے الگ کتابی شکل میں شائع کیا گیا تھا۔ اوّلاً اس کی پانچ جلدیں شائع ہوئی تھیں مگر قرآنی فیصلے حصہ اوّل (مبنی بر سابقہ جلد اوّل، دوم اور سوم) کی طباعتِ نو کے وقت یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ طلوعِ اسلام ٹرسٹ کی تمام مطبوعات کا سائز ایک کر دیا جائے۔ چنانچہ حصہ اوّل بڑے سائز میں طبع کیا گیا تھا۔ اُس وقت یہ عرض کیا گیا تھا کہ جب جلد چہارم اور پنجم کی طباعتِ نو کا مرحلہ آئے گا تو اس کا سائز بھی بڑا کر دیا جائے گا۔

لِلّٰہِ الحمد

قرآنی فیصلے (جلد دوم)

(مبنی بر سابقہ جلد چہارم و پنجم)

حسبِ پروگرام تیار ہو گئی ہے!

ضخامت: ۴۸۸ صفحات

قیمت: اعلیٰ ایڈیشن -/۲۰۰ روپے
سٹوڈنٹس ایڈیشن -/۱۰۰ روپے

مینیجر طلوعِ اسلام ٹرسٹ

DARS-E-QURAN
(Recorded Lectures of Allama Parwez (r)
BOOKS AND MAGAZINE TOLU-E-ISLAM ARE ALSO AVAILABLE AT THE FOLLOWING PLACES.

1.	**CANADA** P.O.Box 21115, Jane Finch R.P.O 3975 Jane St. Downsview ONT M3A 3A3	Sunday 11AM
2.	**DENMARK** Nattergaleveg 98, St Tv., 2400 Copenhagen NV	Last Sat 2 PM
3.	Residence Ubaid-Ur-Rahman Arain Phone 5316273	Friday 6:15PM
4.	**NORWAY** Akeberg Veien-56, Oslo-6 Galgeberg, 4th floor	1st Sun 4PM
5.	**UNITED KINGDIM**	
(i)	**Birmingham** 229 Alum Rock Road	Sunday 3PM
(ii)	**London** 76 Park Road Ilford Essex Phone 081-553-1896	1st Sun 2:30PM
(iii)	**Yardley** 633 Church Road, Yardley, Birmingham B33 8HA (Phone 021-628-3718)	Last Sun 2PM
(iv)	**Essex** 50 Arlington Road, Southend-on-Sea ESSEX SS2 4UW, Phone 0702-618819	2nd Sun 3PM
(v)	**Yorkshire** Cardigan Community Centre 145-49 Cardigan Road LEEDS-6 Contact M. Afzal Phone 0532-306140	1st Sun 3PM
6.	**ON AIR** **Dars-e-Quran on TV-9** Oslo (NORWAY)	Thursday 21:00PM

the Quraish non-believers. Could anything be more ridiculous? How could rank non-believers in the Quran be the subject of this complaint and how could they be referred as "My People"[ ]. How could this complaint be about the Muslims of the first period [ ] because the Quran itself calls them " " [Believers in the true sense of the word [8:74]

Very obviously, this complaint is about the later and modern times, particularly the Muslims of Pakistan, who have blown the clear injunction of the Quran into bits by driving a wedge between the Personal and the Public Laws in their self-made constitution. We have converted Allah's `Deen' into "Mazhab" [religion].

(to be continued)

METROPOLITAN SECURITY AGENCE
PROFESSIONAL SERVICE

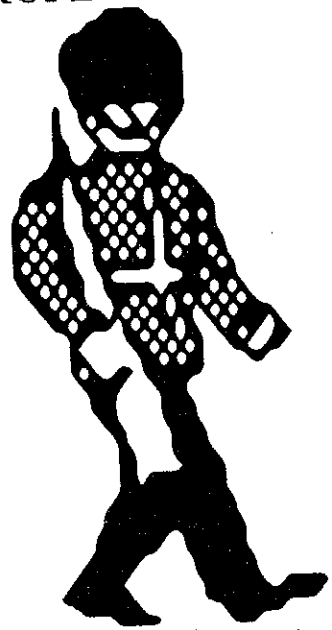

Metropolitan Security Agency provides
PROFESSIONAL SECURITY GUARDS
for protection of Life/Property/Sensitive Premises;
Devises Systems against Theft/Pilferage; Undertakes Responsibility

CONTACT OFFICE

DEFENCE SOCIETY G-160
EDHI BOOTH; LAHORE
PHONE: 892822 -894297

But our self-made 'religion and Shariat'have not only recognised the existence and formation of sects but also given constitutional protection to this form of [Shirk]. See Article 227 of "The Constitution of Islamic Republic of Pakistan" [as amended upto 10th January 1988], which states:-

"227. Provisions relating to the Holy Quran and Sunnah:-

(1)All existing laws shall be brought in conformity with the injunctions of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah, in this part referred to as the injunctions of Islam, and no law shall be enacted which is repugnant to such injunctions. [*Explanation:- In the application of this clause to the personal law of any Muslim sect, the expression "Quran and Sunnah" shall mean the Quran and Sunnah as interpreted by that sect.* [added by Constitution [Third Amendment] Order, 1980 [w.e.f. September 17, 1980].

(2) Effect shall be given to the provision of clause [1] Only in the manner provided in this part.

(3) Nothing in this part shall affect the personal laws of Non-Muslim citizens or their status as citizens".

Could there be a worse example of trying to throttle the Injunctions of the Holy Quran? If this is not making the Quran " [tongue-tied] then what is it? (25:30)

Quran Made " مہجور " [Tongue-tied]

We have been made to lose sight of the fact that on the Day of Judgment the Apostle will complain to Allah:-

وقال الرسول یرب ان قومی اتخذوا ھذا القران مھجورا

Änd the Apostle will say, `O'my Rabb [Sustainer] these are my people who had so shackled the Quran in chains of their own beliefs, thoughts, concepts, traditions, laws [canons], commentaries etc. that it was unable to move with freedom even a couple of steps" [that is to say, instead of making themselves subservient to the Quran they had made the Quran subservient to their own institution and sects].

The irony of it is that our religious leaders satisfy their followers by saying that this complaint will not be about us but about

This mockery is made more ludicrous when in the same breath we say that the Muslims of this beloved country themselves are not one nation, but four!!. Could pure fiction be stranger!

It is essential to remember that within the fold of the Islamic Brotherhood [Ummah] the formation of nations for the basis of race, language, geographical or political boundaries is contrary to the basic concept of Islam. Shall we never understand?

Ideology of Pakistan Ignored

Again, it is essential to remember that the demand for Pakistan was based on the claim that, being a separate and distinct nation, we required an exclusive and separate piece of land where we could establish a Government based on Islamic [Quranic] laws. It was this very claim on the basis of which we were persistently rejecting the concept of United India, whose heterogeneous form of Govt could not permit us to live in accordance with our `Deen'(Al-Islam) But soon after the attainment of Pakistan we began to look for avenues of escape from this ideological claim. And by now in this beloved country of ours, instead of giving practical shape to the Quranic system of life- `Deen'(Al-Islam) we have succeeded in establishing the sovereignty of religious sects. The Quran has clearly pronounced the separation into sects, groups and parties, as synonymous with " شرک " [Polytheism];-

> "Änd be not of "Mushrikin", i.e., of those who split up `Deen'and became schismatic [those who cause a split or division in an organised society], each sect rejoicing in that which is with itself" [30:31-32].

The Apostle is advised to have no truck with those who divide Muslims into sects:-

> "Lo, as for those who sunder their `Deen'and become schismatic, no concern at all thou hast with them" [6:160].

We are further warned:-

> Änd be ye not like those who separated and disputed after clear proofs had come unto them.For them there is awful doom". [3:104, 11:118].

But soon after the attainment of Pakistan (after ten years of concerted agitation,) views began to be voiced from various corners of the land which negated this claim and demonstrated clearly that we did not really believe in the slogans with which we had been shouting ourselves hoarse. As a consequence there began to creep in our words and actions a great disparity. While refusing to accept the Non-Muslims of Pakistan within the fold of Muslim Brotherhood, we were at the same time giving them full rights of citizenship and nationality. In actual practice what is happening is this: Muslim and Non-Muslim enter the Provincial or National Assembly through different doors [separate electorate]. But once inside, they all become equal members of our Muslim nation. There the Non-Muslims have the same rights as the Muslims. They are equal participants and have the right of vote regarding decisions on all problems under consideration, even those pertaining to Islamic laws. Is it not possible under such a situation that in the adoption or rejection of a particular Islamic law the ultimate decision is based on just a single vote of a Non-Muslim? Are we not making a mockery of the Quranic concept of the "Two-Nation Theory"- the very basis of Pakistan's Ideology?

We seem to have lost sight of the fact that Pakistan was an Ideological State; its Ideology being Islam. *How can Non-Muslims who reject the very validity of the Islamic System of life be allowed to participate in framing a constitution of laws based on that system.* But this is exactly what is happening here. In this way, by regarding territiorial boundaries as the standard of the Nation, we are ourselves negating the very basis on which Pakistan was created. Remember! at the beginning of the twentieth century we used to say that:-

"بناء ہمارے حصار ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے

Islamic Brother-hood did never recognise the territorial boundaries as the basis of a nation, the basis was oneness of the Ideology".

We made a mockery of this concept by regarding the Muslims and Non-Muslims of this country as one nation. [It may kindly be borne in mind that I am not advocating that Non-Muslims should be denied their rights. Far from it. But that is a separate subject outside the scope of the present discourse].

created. We were so engrossed in following an alien way bequeathed by the past that we even lost sight of the very basis on which the demand for Pakistan was founded.

Ideology Ignored

After the establishment of Pakistan, it was our bounden duty to demonstrate to the world that Allah's 'Deen'- Islam-was the only system that was capable of solving all the ills of mankind. But alas! even after nearly half a century of the establishment of Pakistan we are still yearning for the dreams of Allama Iqbal to come true and the efforts of the Quaid-e-Azam to bear fruit.

نہ ہے لبوں پہ تبسم، نہ ہے نظر میں پیام
وہ آ گئے ہیں مگر انتظار باقی

No smile on the lips, no message in the eyes The loved one has arrived, yet the feeling of waiting still lingers.

Every one talked of [نظریہ پاکستان]-the Ideology of Pakistan but nobody explained what that Ideology was. The "Two Nation Theory" [دو قومی نظریہ] which was the basis of the Ideology of Pakistan was pushed to the back ground. We lost sight of the fact that "Two-Nation Theory"was not enunciated by any mortal but by the Immortal Creator of the Universe Himself. It did not come into existence due to the antagonism of the Hindu majority towards the Muslim minority of the Indian subcontinent, not as a result of the Pakistan Movement. It is an eternal reality of Islam.

Says Allah:-

(64:2) هو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن

It was Allah who created you. Then some amongst you become believers [مومن], some others non-believers [کافر].

By virtue of birth alone all are human beings. Later, on the basis of their concept of life they fall into two main categories [groups]-Believers [Muslims] and Non-Believers {non-Muslims]. This is in fact the concept of the "Two-Nation Theory". *The basic point of this concept is that Muslims and Non-Muslims can never be categorised as one nation.* That was the reason why, when the claim for Pakistan was made not on nationality but on the oneness of Ideology, it was not an alien call for the Muslims of the Sub-Continent.

the man-made systems [9:33]. Whosoever makes the struggle and endeavour to establish this revolutionary system as the main aim of his life will be called Momin, and the society comprising such individuals, the Muslim Ummah (جماعت مومنین) whom Allah addresses [یا یہا الذین امنوا][O ye who believe]. The inner change brought about in us by the adoption of this great objective as the main aim of life will bring about a complete change in ourselves. With it will change the paths of our life's journey, fellow travelers, the destination and even the cherished desires. How beautifully has Allama Iqbal presented this:-

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا   عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائے
تری دعا ہے کہ ہو آرزو تری پوری !   مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

An upheaval within your ego may The very horizons change
Your prayer is to achieve your desire Mine, your desire may change.

Allah says that we should change our desires in such a way that they become one with His scheme of things. His scheme of things is that a `Momin'[ مومن ] must gain mastery over others [if he is true to his Faith] [3:138, 5:56]. We should therefore all earnestly desire to become `Momin'in the true sense of the word. That is what Allah desires.

Apostle's Objective of Life

محمد رسول الله والذين معه [48:29] Muhammad [May Allah's blessings and peace be upon him] and his Companions [ ]had the same desire, and the objective before them was the same as determined in the Quran [in Surah Toba [9] Verse 33], which they achieved within a few years through their firm belief and concerted efforts despite difficulties which looked insurmountable at first. In those days the great Roman Empire and the Persian Empire were the predominant civilisations. By defeating these two powers the Quranic system of life [الدین] established its superiority. It should be borne in mind that these conquests were not a mere subjugation of other countries or territories but were in fact, the victory of the Divine System over man-made systems, a practical demonstration of ليظهره على الدين كله that Allah's Deen will prevail over all other man-made systems. It is now the responsibility of the Muslim Ummah to carry forward the Apostle's mission to its logical conclusion.

Ummah's Objective of Life

As his [اُمّتی] [followers] the objective of the Apostle's life is now our objective and its attainment our responsibility. To achieve this objective we shall have to shape our Muslim society in accordance with Allah's laws revealed in the Quran. For securing obedience to Allah's laws it is necessary to have some properly constituted *Enforcing Agency. The Agency for enforcing Allah's Laws is the Islamic State and obedience of Allah means, in practice, obedience to the State which enforces His Laws.* The Muslims of the Sub-Continent wanted to form such an Islamic State where Allah's 'Deen' could be given a practical shape. For this purpose Muslims of the then Indian Sub-Continent demanded a separate home-land where they could mould their lives according to the dictates of Allah's 'Deen'. This is what is known as Ideology of Pakistan, which is, in fact an other name for the Islamic Ideology. The question arises: what is Islamic Ideology? An answer to this question is necessary to clear our thoughts.

ISLAMIC IDEOLOGY

Ideology is, as you know, a philosophical term meaning the "Science of Ideas". Ideas"is again a subtle and very comprehensive term. Suffice it to say that Idea"means a basic concept, and that the basic concepts on which any 'System'is built constitute its Ideology". Islam is a system of life. Islam is NOT a 'religion'in the ordinary sense of the word. Religion is the English equivalent for the Arabic word "Mazhab"which does not occur even once in the whole of the Holy Quran. The Quran has instead, used the word Addeen"for Islam, which means a particular way of life, that is, a system for living collectively according to the never-changing revealed laws of Allah now presented in the Holy Quran. Islamic Ideology, therefore, consists of never changing principles or concepts of life capable of evolving, unhampered by the limitation of Time and Space, a universal social order for the good of humanity at large. In other words the Islamic Ideology is the sum total of the "basic concepts on which Islamic System of life is founded"; it is the Objective which Islamic Social Order sets out to achieve". In the present context you can say that Ideology provides the Objectives Resolution"of an Islamic State, its constitution gives political form to the "Resolution", and its laws prescribe the programme for helping the people attain their destiny. The Muslims of the Sub-Continent demanded Pakistan to attain their destiny.

The tragedy is that after the attainment of Pakistan the Pakistanis completely forgot the objective for which this state was

ALLAH'S LAW OF CHANGING CONDITION OF A PEOPLE-4

By
(Izaz Ud Din Ahmed Khan)

Continued

Quranic Objective

To understand this in detail a deep study of the whole Quran is needed. However, its essence is clearly evident from the following Quranic verse:-

هو الذى ارسل رسوله با الهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله و لو كره المشركون ○

Allah is He who has sent His Messenger with guidance and the true "Deen" [System, Code of Life] which is superior to all other codes, and shall ultimately prevail over all man-made systems, however much the non-believers may abhor and resist it (Surah Toba [9] Verse 33).

This Declaration has been repeated in Surah fateh [48], Verse 28 and again in Surah Saff [61], Verse 9. This indicates its importance.

With regard to its meaning and exposition this verse is of great significance. It states clearly that the purpose of Apostleship of Muhammad [May Allah,s blessings and peace be upon him] and the revelation of the Holy Quran is that the system of life determined by Allah for mankind [الدين] should prevail over all man-made systems, and that Man by choosing to live under this system may free himself entirely from all forms of slavery. Remember! Islam-Allah's `Deen'- is a system of life, which can be compared only with another system of life and not with any religion, for religion as such has nothing at all to do with the problems of human life on earth. It should be compared, therefore, with other systems of life like Kingship, Dictator-ship, Western type of Democracy [in vogue in Pakistan], Secularism, Communism, Socialism etc. This explains why the Quran does not present Islam as a rival to any religion, on the other hand, it asserts that this `Deen' shall ultimately prevail over all